مصنف حیدرآباد کے مشہور شاعر ہین، اردو کے اکثر ادبی رسالون مین ان کا کلام نکلتا رہتا ہے، نمود زندگی اون کے کلام کا مجموعہ ہے، اس مین مذہب و اخلاق، سیاست و قومیات، عرفان و تصوف، حسن و عشق وغیرہ مختلف موضوعون اور جذبات و خیالات پر نظمین ہین، کلام مین تخیل آرائی، اور رنگینی کے بجائے واقعیت اور سادگیٔ بیان زیادہ نمایان ہے، بلکہ یہ دونون اوصاف اون کے کلام کا امتیازی وصف ہین، بعض نظمون مین سادگی اور واقعیت اتنی غالب ہے کہ وہ شاعری کی بہ نسبت واقعہ نگاری سے زیادہ قریب ہو گئی ہین، غزلون کا بھی عموماً یہی رنگ ہے، لیکن کلام مین پختگی ہے،

حالی محبِ وطن، از جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۶ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت چھ آنے، پتہ:- اردو گھر احمد منزل کلان محل، دہلی،

مولانا حالی کی پیدائش کی صد سالہ یادگار کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے یہ تقریر فرمائی تھی، جسے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، آج کل کے انقلابی رجحانات اور ان کی تنگ نظری نے قوم و وطن کی محبت اور خدمت کے معنی و مفہوم کو بہت محدود کر دیا ہو اس تحدید کی بنا پر ہمارے بعض وہ پرانے خدام وطن جنھون نے سب سے پہلے حب وطن اور حبِ قوم کا سبق دیا، اس زمرہ سے خارج تصور کئے جاتے ہین، فاضل مقرر نے اس تقریر میں اس غلط فہمی کو دور کیا ہے، اور بتایا ہے کہ قوم اور وطن کی خدمت محض انقلاب کا نعرہ لگا دینے کا نام نہین ہے، اور اوس کے مختلف پہلوؤن اور مختلف حیثیتون کی وضاحت کرکے مولانا کی خدمتِ وطن کی نوعیت اور اس کی قدر و قیمت دکھائی ہے، اوران کے کلام سے ان کے حُبِ وطن اور حب قوم کا ثبوت دیا ہے، بعض ایسی مثالین بھی پیش کی ہیں جو خدمتِ وطن کے موجودہ معیار پر بھی پوری اترتی ہین، فاضل مقرر کی دوسری تقریرون کی طرح یہ تقریر بھی خیالات کے اعتدال و توازن اور نکتہ دری کا نمونہ ہے،

"م"

جلد ۵۳ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۴ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان میں اسلام اور اسلامی کلچر کی حفاظت کی مدعی تو بہت سی جماعتیں ہیں، لیکن درحقیقت اس کی حفاظت و پاسبانی کا اصلی فرض عربی مدارس ادا کرتے ہیں، اور آج ہندوستان میں دین و مذہب کا جو چرچا اور اسلامی کلچر کے جو نقوش بھی باقی ہیں وہ انہی کی بدولت ہیں، اسلامی کلچر کے حفاظتی قلعے مسلمانوں کے پر شکوہ ایوان نہیں بلکہ غریبوں کے یہی جھونپڑے ہیں، گو مسلمانوں کی غفلت سے ان مدارس کو دنیاوی فراغت و اطمینان کے سامان بہت کم حاصل ہیں، لیکن اس حالت میں بھی دین کی خدمت کا سر رشتہ ان سچے خدمتگذاروں کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور وہ صبر و قناعت کے ساتھ برابر اپنا فرض ادا کرتے چلے جاتے ہیں:

ہندوستان میں اگرچہ مذہبی تعلیم کا رواج روز بروز کم ہوتا جاتا ہے لیکن خدا کو ایک جماعت سے دین کی حفاظت کا کام لینا منظور رہا اس لئے دینی تعلیم سے مسلمانوں کی غفلت کے باوجود الحمد للہ عربی مدارس کی کافی تعداد موجود ہے، ان سب کا مشترکہ مقصد دین اور دینی علوم کی خدمت ہے، لیکن اس اتحاد مقصد کے باوجود ان میں باہم کوئی تنظیم اور اشتراک عمل نہیں ہے جو تعلیمی اور دینی دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے، عموماً ایک مدرسہ کے طلبہ، مدرسین اور منتظمین دوسرے مدارس سے کوئی ربط و علاقہ نہیں رکھتے، بلکہ ایک دوسرے کے حالات تک سے بے خبر ہوتے ہیں، جس سے ان میں اتحاد و یگانگت کے بجائے اجنبیت اور دوری پیدا ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسرے کے تجربات اور مفید مشوروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے،

اگرچہ یہ مدارس اپنی اپنی جگہ پر خاموشی کے ساتھ تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں، لیکن انکے ذمہ تنہا یہی فرض نہیں ہے، بلکہ ان پر اور بھی ذمہ داریاں ہیں، بہت سے مذہبی اور خود تعلیمی معاملات ایسے ہیں جن کے لئے باہمی صلاح و مشورہ اور اشتراک عمل کی ضرورت ہے، مذہبی اور تعلیمی ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً نصاب اور طریقہ تعلیم میں تغیر و تبدل کی ضرورت پیش آتی ہے، حالات کے اقتضاء کے مطابق دین کی خدمت کے بعض پرانے طریقے بدلتے اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، آئے دن نئے نئے مذہبی اور مذہب سے قریبی علاقہ رکھنے والے سیاسی و معاشرتی مسائل پیش آتے رہتے ہیں، جن کا حل ان مدارس کے ذمہ ہے، لیکن چونکہ ان میں باہم اشتراک عمل تعلیم کے علاوہ خدمت دین کا کوئی مشترک پروگرام اور تقسیم عمل نہیں ہے اس لئے مذکورۂ بالا مسائل میں بعض اوقات ان کا طریقۂ کار باہم مختلف بلکہ متضاد ہو جاتا ہے جس سے ان میں بعد اور دوری بڑھتی ہے، ان حالات کے پیش نظر عربی مدارس کی تنظیم اور انیں باہم اشتراک عمل کی بڑی ضرورت ہے،

مختلف مدارس کی انفرادی خصوصیات کی بنا پر ان کے ذوق اور طریقۂ کار میں اختلاف ہونا ایک طبعی امر ہے جو ہر زمانہ میں موجود رہا ہے، بلکہ انفرادی طبعی رجحانات کی بنا پر خود ایک مدرسہ کے افراد کے ذوق اور طریقۂ کار میں باہم اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، اس لئے نفس اختلاف مذاق کوئی خطرہ کی چیز نہیں بشرطیکہ وہ باہمی مخالفت کا ذریعہ نہ بنجائے، مدارس کی تنظیم اور اشتراک عمل سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ذوق اور طریقۂ کار کے اختلاف کے باوجود ان میں اتحاد و یگانگت کا رشتہ قائم رہے گا، اور آپس کی بے تعلقی اور ایک دوسرے کے حالات کی بے خبری سے عموماً جو بے اعتمادی مدرسی عصبیت اور جماعت بندی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہ ہونے پائے گی، اور مدارس کی انفرادی خصوصیات اور ان کا اختلاف ذوق تفریق کا ذریعہ بننے کے بجائے خدمت دین میں تفنن اور تنوع کی شکل اختیار کرلیگا

یہ مسئلہ ایک دوسرے پہلو سے بھی لائق توجہ ہے، یہ ظاہر ہے کہ کسی درسگاہ کے اثرات تعلیم ختم ہو جانے کے بعد بالکلیہ طلبہ سے زائل نہیں ہو جاتے، بلکہ آیندہ زندگی میں بھی کسی نہ کسی حد تک باقی رہتے ہیں، انہی طلبہ میں سے کچھ لوگ آگے چل کر مسلمانوں کے رہنما بنتے ہیں اور اُن کی پبلک زندگی میں بھی ان اثرات کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے اگر وہ مدارس سے باہمی یگانگت اور اشتراک عمل کا سبق سیکھ کر نکلیں گے تو اس کے اچھے اثرات ان کی پبلک زندگی میں بھی ظاہر ہوں گے، جس کی اس زمانہ میں بڑی ضرورت ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے اور بہت سے مفید کام اس تنظیم و اشتراک عمل کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے انجام پا سکتے ہیں جو انفرادی کوششوں کے ذریعہ ممکن نہیں،

ہندوستان کے مسلمانوں کا اقتصادی زوال اور اس کے برے نتائج محتاج بیان نہیں، اہل فکر مسلمانوں نے بارہا اس صورت حال کی اصلاح کی کوشش کی اور اب بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے، لیکن یہ کوششیں عموماً وعظ و پند اور تقریر و تحریر تک محدود ہوتی ہیں، اس لئے آج تک ان کا کوئی عملی نتیجہ نہ نکلا اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت روز بروز گرتی جاتی ہے، قوموں کی ترقی و تنزل میں ان کی اقتصادی حالت کو جو دخل ہے وہ اتنا ظاہر ہے کہ اس پر بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں، اگر مسلمانوں کے اقتصادی زوال کی یہی حالت رہی تو وہ دن دور نہیں جب وہ زندگی کے ہر شعبہ میں دولت مند ہمسایہ اقوام سے پیچھے رہ جائیں گے، بلکہ بہت سے شعبوں میں ہو چکے ہیں،

اس صورت حال کے پیش نظر اخبار زمزم لاہور نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی ہے اور اصحاب فکر مسلمانوں کو "مسلمانان ہند کے اقتصادی زوال کے اسباب اور اس کے علاج" پر اپنے صفحات میں اظہار خیال کی دعوت دی ہے، اور مضامین کے لئے چار انعام مقرر کئے ہیں، اس دعوت کے مفید ہونے میں شبہ نہیں، لیکن ایسے اہم مسائل میں محض تحریری کوشش کچھ زیادہ مفید نہیں ہوتی، جیسا کہ زمزم نے ارادہ بھی ظاہر کیا ہے ضرورت اسکی ہے کہ عملی حیثیت سے اسکو کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے، نظام اجتماعی کے ذریعہ اس کے عملی وسائل اختیار کئے جا سکتے ہیں، امید ہے کہ اصحاب فکر مسلمان اس میں پورا حصہ لینگے،

مقالات

قنّوج

از

سید سلیمان ندوی

"چند سال ہوئے یہ مضمون مین نے ادارۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس دہلی مین پڑھنے کے لئے لکھا تھا، مگر میرا جانا نہ ہوا، اور نہ مضمون ہی پورا ہو سکا، اب کچھ دن ہوئے کہ یہ پورا ہوا، اور انگریزی مین اسلامک کلچر کے اکتوبر ۱۹۴۳ء کے نمبر مین چھپا، اب اڈیٹر صاحب اسلامک کلچر کی اجازت سے اردو مین شائع کیا جا رہا ہے"

"سید سلیمان ندوی"

بعض عرب سیاحون اور جغرافیہ نویسون نے سندھ کے علاقہ مین ایک شہر کا نام قنوج بتایا ہے، ایک خیال تو یہ ہے کہ قنوج ایک ہی ہے جو اودھ مین موجودہ کانپور کے پاس، موجودہ فرخ آباد کے ضلع مین واقع ہے، اس کے علاوہ سندھ مین کوئی دوسرا قنوج نہ تھا، اور ان عرب جغرافیہ نویسون اور سیاحون نے جنھون نے سندھ مین کسی قنوج کا ذکر کیا ہے غلطی کی ہے، دوسرا خیال یہ ہے کہ ان جغرافیہ نویسون نے سندھ مین ایک قنوج کا ذکر اس طرح متعین طور سے کئی دفعہ کیا ہے، کہ اس مین غلط بیانی کا گمان نہین ہو سکتا،

ایلیٹ صاحب نے جب ان عربی جغرافیون کے اقتباسات انگریزی مین جمع کر دیئے ہین جن مین سندھ

کے قنوج کا بھی ذکر ہے، ہندوستان کے یورپین مورخون نے بھی اس کا کہین کہین ذکر کیا ہے، اور اُس وقت
سے یہ بحث الجھی ہوئی چلی آتی ہے، ونسنٹ اسمتھ صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جولائی ۱۹۰۸ء
مین قنوج کی تاریخ پر جو فاضلانہ مضمون لکھا ہے، اس مین بھی یہ خلط مبحث موجود ہے، وہ فرق کے لئے سندھ کے
شہر مذکور کا نام قِنّوج "بہ کسر قاف و تشدید نون اور اودھ کے قنوج کو بفتح قاف و تخفیف نون لکھتے ہین، امپی
گزٹیر مین قنوج سندھ کے حالات جو عربون نے لکھے ہین، وہ قنوج اودھ مین ملا دیئے گئے ہین، راورٹی صاحب
نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۹۲ء مین گزٹیر کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،

تاریخ الیٹ کے محشی پروفیسر ڈوسن صاحب اس غلطی کو سمجھتے تھے، مگر وہ اس کی تہ تک نہ پہونچ سکے،
"عرب و ہند کے تعلقات" لکھتے وقت مین بھی متردد تھا، اور اس وقت سے اب تک اس کی تحقیق مین لگا تھا، اتنی
کاوش کے بعد اب حقیقت کی تصویر زیادہ صاف دکھائی دیتی ہے، اور یہی تصویر اب مین دوسرون کو دکھانا
چاہتا ہون، اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ عربی جغرافیہ اور تاریخون کے ان سارے حوالون کو جن مین
قنوج کا نام آیا ہے، ترتیب سے ایک جگہ کر دون،

اشتباہ کی بڑی وجہ ابوزید سیرانی کا سفرنامہ ہے، جس نے تیسری صدی ہجری کے وسط مین یہ لکھا ہے ۲۶۴ھ

وقوم یظھرون التخاییل ویبدعون	سلسلۃ التواریخ ترجمہ	اور کچھ لوگ نظر بندی اور شعبدہ بازی کرتے
فیہا و ذلک بقنوج خاصۃ وھو		ہین، اور اس مین نئی نئی باتین کرتے ہین، اور
بلد عظیم فی مملکۃ الجوز، (ص ۱۳۶)		یہ فن خاص طور سے قنوج مین ہے، جو جوزر کی

اس نے قنوج کو جوزر مین قرار دیا ہے، جوزر کوئی ملک نہ تھا، یہ کتاب ۱۸۱۱ء مین پیرس مین فرنچ ترجمہ
کے ساتھ چھپی ہے، اڈیٹر نے اس کی دوسری قرأت "جزر" کی ہے، اور جزر کے بادشاہ کا نام بار بار اس کتاب
مین آیا ہے، اس سے ادھر دھیان گیا کہ یہ جوزر بھی جزر ہے، اور اس سے مراد صوبہ گجرات ہے،

پھر بشاری مقدسی نے ۳۷۵ھ مین اپنے سفرنامہ "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" مین سندھ کے

سلسلہ مین قنوج کا نام لیا ہے، اور اس کی کیفیت لکھی ہے، اور بتایا ہے کہ "اب اس شہر پر مسلمانون کا قبضہ ہے،
یہان جامع مسجد ہے، اور گوشت سستا بکتا ہے" ظاہر ہے کہ یہ وصف اودھ کے قنوج پر صادق نہین آتا،
اس لئے خیال ہوا کہ یہ قنوج نام کا دوسرا شہر تھا، جو سندھ مین واقع تھا، پھر چونکہ قنوج کا ذکر محمد بن قاسم
کے حملۂ سندھ کے سلسلہ مین بھی ۹۶ھ مین چچ نامہ مین آیا ہے، خیال ہوتا تھا کہ محمد بن قاسم کی نظر اس اودھ
کے قنوج تک کہان پہنچ گئی ہوگی، جو سیکڑون میل سندھ سے دور تھا، اسلئے اس سے مقصود قنوج نام سندھ
ہی کی کوئی چھوٹی موٹی ریاست ہوگی لیکن پوری تحقیق اور فکر و تلاش نے اب حقیقت کا پردہ چاک کر دیا ہے،

علی بن حامد بن ابی بکر کوفی کی فتوح السند مین جس کے فارسی ترجمہ کا مشہور نام چچ نامہ (۶۱۳ھ) ہے، کئی
کئی جگہ قنوج کا نام آیا ہے، فتوح السند کی تالیف کی تاریخ نہیں معلوم ہے، لیکن اس کا یہ فارسی ترجمہ سلطان
التمش کے حریف و ہمسر امیر قباچہ والی سندھ کے زمانہ مین ۶۱۳ھ مین کیا گیا ہے، ابھی تک گو اس کی
عربی اصل اہلِ علم کو نہین مل سکی ہے، لیکن اس کے طرزِ تحریر اور سلسلۂ روایت اور عربی اشعار سے یہ بات
ثابت ہے کہ اصل کتاب پرانے زمانہ مین عربی مین لکھی گئی تھی، مترجم کو یہ عربی کتاب اُچھ کے قاضی اسمٰعیل
ابن علی بن موسیٰ ثقفی کے کتب خانہ مین ملی تھی، اس قسم کی فتوحات کی کتابین عرب مصنفون نے تیسری صدی
ہجری یعنی نوین صدی عیسوی کے اوسط مین لکھی ہین، چنانچہ فتوح البلدان کا مصنف احمد بلاذری بھی اسی
زمانہ مین تھا، اوس نے ۲۷۹ھ مین وفات پائی ہے،

چچ نامہ مین قنوج کا نام تین دفعہ آیا ہے، پہلی دفعہ اس وقت آیا ہے جب سندھ مین چچ اور اس کے
حریف اکھم مین لڑائی ہوتی ہے، اور اکھم شکست کھا کر راے قنوج سے مدد طلب کرتا ہے،

"و دران وقت ملکِ ہندوستان یعنی کنوج، سیاربن راے بدل راے بود اکھم
نوشتہا فرستاد و از وے مدد خواست"

(ص ۱۹ نسخہ قلمی دار المصنفین)

اس عبارت مین ہندوستان کی تعبیر کنوج سے کی گئی ہے، یعنی کنوج کے راجہ کو ہندوستان کا راجہ کہا گیا ہے، اس کے بعد سیوستان کا راجہ بھاگ کر قنوج کے راجہ کے پاس جاتا ہے،

"پس ہتہ ملک سیوستان بنزدیک شاہ کنوج رفتہ بود و در آن عہد ملک ہندوستان بارانسی بود و کنوج در تحت فرمان سیہرس بن راسل بود" (چچ نامہ قلمی ص ۲۳)

بارانسی بنارس اور کنوج قنوج ہے، جس سے اس سلطنت کے مرکزی شہر معلوم ہوگئے، اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ثقفی سندھ کو فتح کرکے قنوج کی طرف توجہ کرتا ہے :-

"پس ابو حکیم شیبانی را با دہ ہزار سوار بقنوج فرستاد تا مثال دار الخلافت بدعوت اسلام و مال و خزانہ بیت المال بروے عرض دارد، و با وے بیعت کند و خود با لشکر بر حد کشمیر کہ پنج ماہیات گویند بموضعی کہ پدر داہر چچ سیلائج درخت صنوبر یعنی بید را انہال کردہ بود، و داع نمودہ بود آنجا رسید، و آن حد را تجدید تعیین کردند، راے قنوج در آن وقت جیتل راے بود چون لشکر با ورد ہا بر رسید، ابو حکیم شیبانی بفرمود تا زید بن عمرو الکلابی را بیاوردند، پس گفت اے زید ترا بر سالت براے ہر جند جیتل بباید رفت و فرمان مطاوعت اسلام بدیشان رسانید و گفت کہ از دریاے محیط تا حد کشمیر ہر راے و ملوک کہ ہست تحت اقدار و تمکین اسلام شد و امیر عماد الدین (محمد بن قاسم) را کہ لشکر کش عرب و قہر کنندۂ کفار است مطاوعت نمودند، و بعضے در ربقہ اسلام آمدند، و باقی بر خود مال معین کردند تا بخزانہ دار الخلافت تسلیم کنند، راے ہر جند گفت و جواب داد کہ این ولایت قریب یک ہزار و شش صد سال است کہ در ضبط و تصرف ما است، و در ایالت فرمان ما ہیچ مخالفے را زہرہ نبودہ است کہ در ذیل حدود ما را بسپردے و با پیرامن مخاصمت ما گشتے، و دست تصرف و تعرض در مملکت ما زدے، و از شما را چہ نہیب کہ این

مقالات و محالات کہ در خاطر می اندیشی (ص ۲۵)

اس عبارت مین پنج ماہیات کی ماہیت، ایلیٹ کے خیال مین پنج مار یعنی پنج آب ہے، جس کو عربون نے عموماً سرحد کشمیر قرار دیا ہے،

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ قنوج کی ایک مستقل مضبوط سلطنت تھی جو سندھ سے باہر ہندوستان مین تھی، لیکن دونون کی سرحدین پنجاب مین ملتی تھیں، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ کے پہلے ہی سے ان دونون سلطنتون مین فوجی امداد و اعانت کے مراسم قائم تھے، یعنی سندھ کے راجہ، قنوج کے راجہ سے کمک مانگا کرتے تھے، اس پہلو کو سامنے رکھکر قنوج کی طرف محمد بن قاسم کی پیشقدمی کا مسئلہ صاف ہوجاتا ہے،

سفرنامۂ ابو زید سیرافی موجودہ ۲۶۴ھ میں ہے،

وللهند عباد واهل علم يعرفون	اور ہندوستان کے عابدون اور علم والون
بالبراهمة وشعراء يغشون الملوك	کو برہمن کہتے ہین، اور ہندوستان مین شاعر
ومنجمون وفلاسفة وكهان	ہین، جو راجاؤن کے دربار مین رہتے ہین،
واهل زجر للغربان وغيرها و	اور منجم اور فلسفی اور کاہن، اور کوون وغیرہ
بها سحرة وقوم يظهرون التخاييل	سے فال نکالنے والے اور اس میں جادوگر
ويبدعون فيه، وذلك بقنوج	ہین اور کچھ ایسے لوگ ہین جو نظر بندی اور
خاصة وهو بلد عظيم في مملكة	شعبدہ بازی کرتے ہین، اور اس میں نئی نئی
الجوز	باتیں پیدا کرتے ہیں، اور یہ فن قنوج میں
(ص ۱۲۷ پیرس)	خاص کر ہے، جو جوز کی سلطنت میں بڑا شہر ہے،

اس کے بعد وہ عبارت آتی ہے، جو غلط فہمی کا سب سے بڑا سبب ہے، یہ شامی سیاح بشاری مقدسی کا بیان ہے، یہ ۳۷۵ھ میں ملتان اور سندھ آیا تھا، اس لئے اپنے سفرنامہ مین جس کا نام احسن التقاسیم

فی معرفۃ الاقالیم ہے، قنوج کا ذکر چار جگہ کیا ہے، اور ہر جگہ نیا مغالطہ پیدا کیا ہے، سب سے پہلے اقلیم السند کو پانچ بڑے صوبوں میں بانٹا ہے، اور اسی کے ساتھ مکران کا ایک نام اور بڑھا کر چھ کر دیا ہے، کہتا ہے،

فاولها من قبل کرمان مکران ثم طوران ثم السند ثم ویهند ثم قنوج ثم ملتان (ص ۴۷۰ لائیڈن)

سندھ کا آغاز کرمان کی طرف سے مکران ہے، پھر طوران، پھر سندھ، پھر ویہند، پھر قنوج پھر ملتان،

شیراز میں ایک عالم سے جس نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی، وہ ملا تھا، اوس کی زبانی یہ بیان نقل کرتا ہے :-

واما قنوج فانها القصبة ایضا ومن مدنها قدار، ابار لهاده، بارد، وجین، اودهة، زهوهر، برهیروا، (ص ۴۸۰)

لیکن قنوج تو وہ بھی پایہ تخت ہے، اور اوس کے شہروں میں سے قدار، ابار، لہادہ[1]، بارد، وجین[2]، اودھۃ، زہوہر، برہیروا ہے،

ویہند اور ملتان کے بیچ میں قنوج کی نسبت یہ لفاظی کرتا ہے:

قنوج قصبة کبیرة لها ربض تدل بها لحوم کثیرة ومیاه غزیرة و بساتین محیطة ووجوه حسنة و ماء صحیح وبلد فسیح، متجر ربیح وکل صحیح، وموز رخیص الا انها کثیرة الحریق قلیلة الدقیق

قنوج بڑا شہر ہے، اوس میں حصار کی چار دیواری ہے، وہاں گوشت بہت، پانی بہت، باغ شہر کے ارد گرد، خوبصورت لوگ، پانی اچھا، شہر کشادہ، تجارت نفع بخش، ہر چیز اچھی، کیلے سستے، لیکن وہاں آگ بہت لگا کرتی ہے، آٹا کم پیدا ہوتا ہے، اونکی

[1] کیا لہاور یعنی لاہور؟ [2] کیا اجین؟

اکلهم الارز ولبسهم الازر، بناء خسیس، وصیف بغیض، منها الی الجبال اربعة فراسخ والجامع فی الربض وخیصة اللحوم والنهر تخلل البلد اکثر طعام المسلمین الحنطة وبها علماء واجلة، (ص ۴۸۰)

خوراک چاول، اور لباس دھوتی ہے، مکان بہت معمولی، اور گرمی بہت سخت، شہر سے پہاڑ تک، چار فرسنگ، اور جامع مسجد شہر پناہ کے اندر ہے .... دریا شہر کے اندر سے بہتا ہے، اور مسلمانوں کی خوراک گیہوں ہے، اور وہاں علماء اور اکابر ہیں،

اس کے بعد قنوج کے متعلق اوس کا آخری بیان یہ ہے :-

والغلبة بقنوج وبویهند للکفار وللمسلمین سلطان علی حدة، (ص ۴۸۵)

اور غلبہ قنوج اور ویہند میں ہندوؤں کو ہے، اور مسلمانوں کا ایک حاکم الگ ہے،

ویہند کے متعلق یقینی طور سے معلوم ہے کہ وہ قندھار اور دریائے سندھ کے بیچ میں پشاور سے تین منزل جنوب میں واقع تھا، اور ایک سلطنت کی مستقل راجدھانی تھی، سلطان محمود نے ۳۹۲ھ میں پشاور کے لینے کے بعد اوس کو فتح کیا تھا، (گردیزی ص ۶۶ برلن) بشاری نے ویہند کے بعد قنوج کو جگہ دی ہے مگر اس سے مقصود شہر قنوج نہیں بلکہ قنوج کی سلطنت ہے جس کے کنارے پنجاب، سندھ اور مالوہ تک پھیلے تھے، قنوج کے اندر جن شہروں کے نام شیراز کے ایک سیاح نے بشاری کو بتائے تھے، ان میں ایک شہر کی صورت تو صاف ہے یعنی وجین جو ہمارا اجین (مالوہ) ہے، دوسرے شہر کی صورت کچھ دھندلی سی ہے، اور وہ اودھۃ ہے، میرے خیال میں ر کی جگہ یہ د ہے یعنی اودھۃ ہے، یعنی اجودھیا یا اودھیا جس کو مسلمانوں نے اودھ بنا لیا تھا،

مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایک بات صاف کر لینی چاہئے، پرانے ہندوستان میں راجدھانیوں کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور دائرۂ حکومت یا حدود سلطنت کے نام یا تو راجدھانیوں کے نام بعینہٖ

رکھے اور پکارے گئے ہین، یا اون کے حکمران خاندانون کے نام پر ان کے نام رکھے گئے ہین، ان کی مثالیں پچھلی تاریخون مین بھی ملتی ہین، اور اب بھی تمام ریاستون کے نامون مین یہی طریقہ رائج ہے، اور مدراس، بمبئی، اور بہار کی مثالیں انگریزی علاقون مین پائی جاتی ہین،

ایک بات اور ذہن مین رہے بشاری بڑا محتاط سیاح ہے، اوس نے اپنا سفرنامہ بڑی احتیاط سے لکھا ہے، اس کی احتیاط ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ اوس نے ہندوستان کے حال مین صاف صاف لکھدیا ہے کہ باوجود لوگون سے تحقیق اور دریافت کے مین ہندوستان کے وصف مین صحت کی ذمہ داری نہین لیتا کیونکہ

ومع هذا فلا اضمن من وصفه	باوجود اس کے کہ مین ہندوستان کے بیان
ما اضمن من غيره ولا اصف الا	کی وہ ذمہ داری نہیں لیتا جو اس کے علاوہ
امصاره ولا استقصى فى شرحه	دوسرے ملکون کی لیتا ہون، اور مین صرف اسکے
لسادوى كفى بالمرء كذبا ان يحدث	شہرون کا حال بیان کرتا ہون اور اس کی
بكل ما سمع ولقوله صلعم ليس	ساری تشریح نہین کرتا، کیونکہ حدیث مین
الخبر كالمعاينة ولولا خشية	ہے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی
ان يختل هذا الاصل ويبقى	ہے کہ جو کچھ سنے وہ بیان کردے، اور اسلئے
من الاسلام مرصد لا عرضنا	کہ سننا دیکھنے کے مانند نہین، اگر مجھے یہ ڈر
من الكلام فيه.	نہ ہوتا کہ یہ اصل یعنی کہ اسلامی ملکوں میں سے
(ص ۴، ۵)	کسی کا حال چھوٹنے نہ پائے، ٹوٹ جائیگی تو میں ہندوستان کا بیان چھوڑ دیتا

اس ملک کے جغرافی بیان کے متعلق اوس نے تصریح کی ہے کہ اسکو اصطخری فارسی کے جغرافیہ سے نقل کیا ہے، (ص ۴۷۵) یا دوسرے سیاحون سے سن کر اور پوچھکر لکھا ہے، اس لئے قنوج کی جائے وقوع کی نسبت اوس کا بیان اعتبار سے خارج ہے،

مگر اتنا صحیح ہے کہ تیسری صدی کے خاتمہ پر عرب جہازرانون کے کانون تک قنوج کا نام پہنچ چکا تھا، بزرگ بن شہریار ناخدا جو تیسری صدی کے خاتمہ پر تھا، قنوج کا نام لیتا ہے، اور ایک عرب سیاح کی زبانی بیان کرتا ہے:-

ان بقنوج من بلد ان الهند من	ہندوستان کے شہرون میں قنوج مین
تاخذ الفوفلة بين شفريتها فتكسرها	ایسے لوگ ہین جو ڈلی کو اپنے دونون ہونٹون
قطعا من شدة ما تضغطها،	میں لے کر اس زور سے دباتے ہین کہ
(عجائب الهند ص ۶)	وہ ٹوٹ جاتی ہے،

سنہ ۳۰۰ھ مین مسعودی ہندوستان آیا، اوس نے گو یہ غلطی کی ہے کہ قنوج کے راجہ کو سندھ کے بادشاہون مین شمار کیا ہے، مگر اس کی توجیہ یہ ہے کہ اوس زمانہ مین قنوج کی سلطنت سندھ تک تھی، اسلئے قنوج کے راجہ کو سندھ کے راجاؤن مین شمار کیا ہے، اس ایک بات کے علاوہ مسعودی کا سارا بیان بہت کچھ غلط فہمیون کو دور کرنے والا ہے،

مسعودی نے قنوج کا ذکر تین موقعون پر کیا ہے، پہلے باب، صفحہ ۸۰، امین ہے

ونيا ويه (بلهرا) من ملوك	اور وبلہرائے کا حریف ہندوستانی
الهند ممن لا بحر له بؤورة صاحب	راجاؤن مین سے جس کے پاس سمندر نہین،
مدينة القنوج وهذا الاسم سمة	بورہ قنوج کا راجہ ہے، اور یہ بورہ لقب
لكل ملك يلى هذه المملكة،	ہر اوس راجہ کا ہوتا ہے جو اس ملک پر راج
وله جيوش مرتبة على الشمال و	کرتا ہے، اور اسکی فوجیں، اتر، دکھن، پورب،
الجنوب الصبا والدبور لانه من كل وجه	اور پچھم ہر رُخ پر رہتی ہین، کیونکہ ہر رُخ پر
من هذه الوجوه يلقاه ملك محارب له (طبع لائڈن)	اس کے اوس سے کوئی نہ کوئی لڑنے والا ہے،

یہ بورہ عجب نہین کہ بھوج رائے کا عربی تلفظ ہو جو قنوج کے مشہور راجہ بھوج رائے کے بعد یہان کے راجاؤن کا موروثی لقب قرار پاگیا تھا،

اس کے بعد مسعودی (ص ۲، ۳ جلد اول لائیڈن) قنوج کا دوبارہ ذکران لفظون مین کرتا ہے:

ملك قنوج من ملوك السند بُؤورهٗ	سندھ کے راجاؤن مین سے ایک قنوج کا
هذا اسم كل ملك يلى القنوج	راجہ بورہ ہے، اور یہ بورہ ہر اوس راجہ
وَ هُنا مدينة يقال لها بوُورهٗ	کا لقب ہے جو قنوج پر راج کرے، اور یہان
باسم ملوكهم، وقد صارت اليوم	ایک شہر بھی اسی کے نام سے ہے جس کا نام
فى حيّز الاسلام وهى من اعمال	بورہ وہان کے راجاؤنکے نام سے ہے، اور وہ
المولتان ومن هذه المدينة	آج کل اسلام کی حکومت مین داخل ہے
يخرج احد الانهار التى اذا	اور وہ ملتان کے علاقون مین شامل ہے
اجتمعت كانت نهر مهران	اور اسی شہر سے اون دریاؤن مین سے
السند............	ایک دریا نکلتا ہے جن کے مل جانے سے
.......وبؤورہ هذا الذى هُو	دریائے سندھ بنتا ہے،..........
ملك القنوج هو ضد البلهرى	اور یہ بورہ جو قنوج کا راجہ ہے وہ ہندوستان
ملك الهند،	کے راجہ بلہرا کا مخالف ہے،

مسعودی کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ قنوج کی سلطنت سندھ سے ملی تھی، اور سندھ کا علاقہ مسعودی کے بیان کے مطابق کشمیر سے ملا ہوا تھا، (ص ۳، ۳) گویا پنجاب کا علاقہ بھی سندھ ہی مین شمار ہوتا تھا، وہ کہتا ہے کہ یہان یعنی سندھ کے پاس اس راجہ کے نام بھوج رائے کے نام سے ایک شہر بھی آباد تھا، یعنی اوس کا نام بھی بھوج رائے ہے، اور یہ اُن پانچ دریاؤن مین سے کسی ایک کے دہانہ پر واقع ہے، جن سے مل کر

دریائے سندھ بنتا ہے، ان پانچ دریاؤن مین سے ہر ایک دریا موجودہ پنجاب مین ملتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ موجودہ پنجاب میں دریائے ستلج کے کنارہ جو ہندوستان خاص اور پنجاب کی طبعی سرحد ہے کہین بہتا ہوگا اور وہ بھوج رائے یا قنوج کی سلطنت کا اس سمت مین آخری شہر ہوگا، اور اس لئے وہ حکمران خاندان کے نام پر بھوج رائے اور راجدھانی کی حکومت کی نسبت سے قنوج کہلاتا ہوگا، جیسے آج بھی حیدرآباد، میسور، بڑودہ، بھوپال، رامپور وغیرہ ہماری ہندوستانی ریاستون کا ہر شہر اوس کے والی یا اوس کے پایۂ تخت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس سے بشاری مقدسی کے اس بیان کی مشکل کہ سندھ کے شہرون مین سے ایک کا نام قنوج ہے، حل ہو جاتی ہے، اور قنوج مین مسلمانون کی آبادی، جامع مسجد اور گوشت کی کثرت کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ مسعودی کے بیان کے مطابق ۳۰۳ھ میں یہ شہر ملتان کی اسلامی عملداری مین داخل ہو چکا تھا،

مسعودی کے دوسرے بیان سے ہمارا خیال اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے، وہ قنوج کی سرحدون کا حال یہ بتاتا ہے،

فاما مملكة بُؤوره هُوَ ملك القنوج	لیکن بورہ کا راج اور وہ قنوج کا راجہ ہے،
فان مسافة مملكته نحو من عشرين	تو اوس کے راج کی وسعت ایک سو بیس فرسنگ
ومائة فرسخ فى مثلها فراسخ سندية	لمبائی میں اور اتنی ہی چوڑائی میں سندھی
الفرسخ ثمانية اميال بهذا الميل	فرسنگ سے، ایک فرسنگ اس میل سے ۸
وهذا الملك الذى قد منا ذكره	میل کے برابر ہے، اور یہ راجہ جس کا میں پہلے بھی
فيما سلف ان لهٗ جيوشا اربعة	ذکر کر چکا ہون کہ اس کی چار فوجین ہوا کے
على مهاب الرياح الاربع، كل جيش	چارون رخ پر ہین، ہر فوج کی تعداد سات
سبع مائة الف وقيل تسع مائة الف	لاکھ اور کہتے ہیں کہ ۹ لاکھ ہے، تو وہ اتر کی

يحارب بجيش الشمال صاحب	فوج سے ملتان کے امیر اور جو اوس کے ساتھ
المولتان ومن معه فى ذلك الثغر	اس سرحد مین مسلمان ہین، اون سے لڑتا ہے،
من المسلمين، ويحارب بجيش الجنوب	اور دکھن کے لشکر سے ولبھ رائے مان کھیڑ
البلهرى ملك المانكير وبالجيوش	کے راجہ سے مقابلہ کرتا ہے، اور باقی فوجون
الباقية من يلقاه من كل وجه من	سے جس طرف سے کوئی حملہ آور آئے، اوس کا
الملوك ويقال ان ملكه يحيط فى	سامنا کرتا ہے، اور کہتے ہین، کہ اسکی سلطنت
مقدار ما ذكرنا من المسافة من	کی اوس وسعت میں جس کا ذکر مین نے کیا،
المدن والقرى والضياع مما يدرك	شہر، گاؤں، دیہات کی تعداد جو گنتی میں آئی
الاحصاء والعد الف الف وثمانمائة	ہے، اٹھارہ لاکھ ہے، درختوں کے جھنڈ،
الف قرية بين اشجار وانهار وجبال	اور دریاؤن اور پہاڑون اور سرسبز
ومروج، (ص ۳،۴)	میدانون کے درمیان،

یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ شمالی گجرات وکاٹھیاوار کا راجہ ولبھ رائے ہے، اور مانکیر جو کبھی بھانگر سمجھا جاتا تھا، اب مان کھیڑ ہے، جو ولبھ رائے کی راجدھانی تھی، اور جو موجودہ پونہ کے قریب تھا، اب عرب سیاحون کے قنوج راج کی دو حدین معلوم ہوگئین، یعنی اتر کی سمت میں وہ ملتان کی حکومت سے مل جاتا تھا، اور دکھن مین ولبھ رائے کی سلطنت سے، اور اوس کی وسعت میں اٹھارہ لاکھ شہر اور دیہات آباد تھے، جن مین جنگلون پہاڑون، دریاؤن اور سرسبز میدانون کے سلسلے تھے،

ابن حوقل بغدادی اوسی زمانہ کا مشہور سیاح ہے، اوس نے ۳۳۱ھ ۹۴۳ء میں بغداد سے اپنا سفر شروع کیا، اور ہندوستان آیا، اوس نے اپنی کتاب میں چار دفعہ قنوج کا نام لیا ہے، ص ۱۴ وص ۱۶ وص ۲۲۰ وص ۲۰۶ مین،

عرب سیاحون اور جغرافیہ نویسون مین یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے قنوج کو مملکت ہند کا پایۂ تخت بتایا ہے، ص ۱۴ اور ص ۱۶ مین اوس نے ہندوستان کی لمبائی اور چوڑائی لکھی ہے، اور بتایا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کی لمبائی مکران (بلوچستان) سے شروع ہوکر منصورہ (سندھ) اور سندھ ہوتے ہوئے قنوج تک، اور پھر اس سے آگے بڑھکر تبت تک چار مہینون کا راستہ ہے، (ص ۱۶)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ شہر قنوج مکران یعنی بلوچستان سے تبت اور کوہ ہمالیہ کی سمت میں کئی مہینون کے راستہ پر واقع تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ شہر سندھ کے اندر نہین تھا، بلکہ وہ لامحالہ وہی قنوج تھا جسکو ہم اب بھی قریب قریب اسی مسافت پر جانتے اور پہچانتے ہین،

ابن حوقل صفحہ ۲۲۰ مین تیسری دفعہ قنوج کا نام لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ

وهذه مدن الهند التى عرفتها	اور یہ ہندوستان کے وہ شہر ہین جن کو مین نے
وبها بواطن واماكن كفرزان و	جانا، اور اس کے اور اندرونی مقامات ہین،
قنوج فى المفاوز وهى كملطة داد	جیسے فرزان اور قنوج جنگلون اور صحراؤن
فى اقطار نائية واماكن سحيقة	میں اور وہ ملطہ کی طرح اور بڑے بڑے دور
لا يصل اليها تاجر الا من اهلها	اطراف اور بعید مقامات ہین جہان وہان
لانقطاعها وكثرة الآفات المقتطعة	کے باشندون کے سوا کوئی تاجر نہین پہنچ سکتا
لقاصدها،	کہ وہان کے جانے والون کو بڑی بڑی آفتون

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج سندھ سے اتنی دور جنگلون اور صحراؤن مین ہوکر واقع تھا کہ مسلمان تاجر وہان تک پہنچ نہین سکتا تھا،

ابن حوقل نے ص ۲۰۶ پر آخری دفعہ قنوج کا ذکر کیا ہے،

اصطخری ۳۴۰ھ میں ہندوستان آیا تھا، اوس نے اپنی کتاب مسالک الممالک میں اپنے پیشروؤن

اوربعض ہندوؤن کی فیاضی سے فائدہ اٹھایا ہے، اوس نے قنوج کا بیان تقریبًا ابن حوقل سے لیا ہے، چنانچہ قنوج کا نام دودفعہ لیا ہے، ایک دفعہ دنیا کی سلطنتون کے مشہور دارالسلطنتون کے سلسلہ مین کہتا ہے :-

ومملکة الھند منسوبة الی الملک المقیم بقنوج، (ص ۹ لایڈن)	اور ہندوستان کی سلطنت اوس راجہ کی طرف منسوب ہے، جو قنوج مین رہتا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین قنوج راج کی اہمیت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ مملکتِ ہند کا پایۂ تخت اکیلے اسی کو بتایا جارہا ہے، آگے بڑھکر مصنف دنیا کے ملکون کی مسافت اور پھیلاؤ کا حال لکھتا ہوا اس سلسلہ مین ہندوستان کا نام لیکر کہتا ہے :-

واما ارض الھند فان طولھا من	لیکن ہندوستان کا ملک تو اوس کا طول
عمل مکران فی ارض المنصورة و	منصورہ اور بدہ اور باقی سرزمین سندھ مین
البدھة وسائر بلاد السند الی	مکران کی عملداری سے شروع ہوکر قنوج پر
ان تنتھی الی قنوج ثم تجوزہ الی	ختم ہوتا ہے، پھر اوس سے آگے بڑھ کر
ارض التبت نحو من اربعة اشھر	تبت تک چار مہینوں کی راہ ہے، اور اس
وعرضھا من بحر فارس علی ارض	کا عرض بحر فارس سے قنوج کے ملک تک
قنوج نحو من ثلثة اشھر، (ص ۱۱)	تین مہینون کی راہ،

یہ وہی ابن حوقل کی آواز بازگشت ہے، اور اوس نے بھی قنوج کی مسافت وہی لکھی ہے،

۳۷۲ھ مین گوزگانان واقع ترکستان قریب فاریاب مین بیٹھکر ایک مصنف نے حدود العالم من المشرق الی المغرب کے نام سے فارسی مین دنیا کا ایک جغرافیہ لکھا تھا، ۱۹۳۰ء مین یہ کتاب لینن گراڈ روس مین چھاپی گئی تھی ۱۳۵۲ھ مین طہران مین دوبارہ چھپی، یہی نسخہ میرے پیش نظر ہے، اس مین صوبہ سرحد اور پنجاب کے شہرون کے متعلق بعض معلومات بالکل نئے ہین، مصنف کا نام گو معلوم نہین، مگر چونکہ ترکستان اور ہندوستان کی تجارتی

آمدورفت برابر قائم تھی، اس لئے یہ معلومات تاجرون کی زبانی مصنف کو حاصل ہوئے ہون گے،

میرے علم مین یہ پہلی کتاب ہے جس مین لاہور اور جالندھر کا نام آیا ہے، اور قنوج کے متعلق بھی بعض نئے بیانات اس مین پائے جاتے ہین، گجرات اور کاٹھیاوار کے شہرون کے نام لے کر کہتا ہے :-

"واندرین ہمہ پادشاہ بلہرا یست واز پس این پادشاہ قنوج است ....

قنوج شہرے بزرگ است ومستقر رائے قنوج است .... وبیشتر از ملوک ہند طاعتِ او دارند، واین رائے مہتر از خویشتن کس را نہ بیند وگویند کہ او را صد وپنجاہ ہزار سوار است، وہشت صد پیل کہ بروز حرب بر نشیند، (ص ۴۳)

لہور شہریست با ناحیت بسیار وسلطانش از دست امیرِ ملتان است واندرو بازارہا وبتخانہا است واندرو درخت چلغوزہ وبادام وجوز ہندی بسیار است، وہمہ بت پرستند، واندروے ہیچ مسلمان نیست، رامیان شہرے ست بر سر تلّے عظیم، واندروے اند کے مسلمانان اند وایشان را سالاری خوانند، ودیگر ہمہ بت پرستان اند وآنجا بردہ ہندو وجامہ ہندوستان افتد بسیار وسلطان وے از قبل امیر مولتان است، ...... جالھندر شہریست بر کوہے اندر سردسیر، واز وے جامہا بسیار خیزد سادہ ومنقش، واندر میان رامیان وجالھندر پنج روزہ راہ است، وہمہ راہ درختان ہلیلہ وبلیلہ وآملہ دارو ہا است کہ بہمہ جہان ببرند واین شہر از حدود رائے قنوج است، سلابور شہریست بزرگ با بازارہا وبازرگانان وخواستہا وپادشائے از آن رائے قنوج است، ودرمہاے ایشان گوزگانی گو است کہ داد وستدشان بر واست، ...... وہر یکے راوزنے دیگر است، واندر او بتخانہاے بسیار است ودانشمندان ایشان برہمن اند ...... برہمیون شہریست چون باطلے وہر سالے اندرو چہار روز بازار تیز باشد، واز آنجا بقنوج نزدیک است، وحدود رائیست واندرو سی صد بتخانہ است واندرو آبے ست کہ گویند کہ ہر کہ خویشتن را بدان آب بشوید، ہیچ آفتش نرسد وہر گہ کہ مہترے از ایشان

بیرد جمہ کہتر ے کہ اندر سایۂ او باشند خویشتن بکشند و پادشاہ این شہر بر تخت نشیند و ہر جا کہ رود آن تخت را بر کتفہا ہمی برند بسوم مردتا آنجا کہ او خواہد، میان این شہر و تبت مقدار پنج روزہ راہ است اندر عقبہاے سخت، ہبتیال ناحیتیست بر نزدیکی قنوج میان شان کوہیست عظیم و ناحیتے خرد است و لکن مردمان جنگی و مبارز و پادشاہے او از ملوک اطراف است و میان رائے قنوج دشمنیست......

....

....

....

درہند (دہیند؟) شہرے بزرگ ست و پادشاہے وے جیپال (جیپال) است و این جیپال اندر طاعت راے قنوج است و اندر و مسلمان اندک، و جہاز ہاے ہندوستان بیشتر بدین ناحیت افتد از مشک و گوہر و جامہاے باقیمت، قنیمر شہرے بزرگ ست و با نعمت و بازرگانان بسیار و پادشاہ وے راے قنوج است، و اندر وے تبخانہاے بسیار است کہ ہندوان آنجا بزیارت آیند

(از صفحہ ۴۳ تا ۴۶. حدود العالم، طہران)

حدود العالم کی ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوس زمانہ مین یعنی ۳۷۳ھ مین قنوج کی حکومت دکھن کی طرف و لبھ راے کی حدودِ حکومت سے جا کر ملتی تھی، اور اتر طرف پنجاب کے شہر جالندھر سے گذر کر لاہور سے کترا کر کشمیر اور موجودہ سرحدی شہرون تک پہنچکر وہیند پر جا کر ختم ہوتی تھی، لاہور کا ہندو راجہ اس زمانہ مین ملتان کے مسلمان امیر کا ماتحت تھا، غرض قنوج اور سندھ کی سرحدین پنجاب مین آکر مل جاتی تھین، اوس کے علاوہ کوئی دوسرا قنوج نہ تھا، اور اوس کے جس مقدس دریا کا ذکر ہے وہ یقیناً گنگا ہے جس کے ساحل پر قنوج آباد تھا،

مصر کے فاطمی وزیر مہلبی نے تقریباً ۳۷۶ھ مین جغرافیہ کی کتاب "عزیزی" لکھی ہے، اور چونکہ اس

زمانہ مین سندھ کی ریاستین مصری فاطمیون کی نگرانی مین داخل ہو چکی تھین، اور مصر اور سندھ کے درمیان برابر سفیر آتے جاتے رہتے تھے، اس لئے اس کو قنوج کی پوری واقفیت تھی، وہ کہتا ہے :-

"قنوج ہندوستان کے دور ترین شہرون میں ہے، ملتان کے پورب ہے، ملتان اور قنوج کے بیچ مین دو سو بیاسی فرسنگ کی مسافت ہے، اور وہ ہندوستان کا پایۂ تخت اور سب سے بڑا شہر ہے، لوگون نے اوس کا حال بیان کرنے مین بہت مبالغہ سے کام لیا ہے، کہتے ہیں کہ اس میں جوہریوں کے تین سو بازار ہین، اور اس کے راجہ کے قبضہ میں ڈھائی ہزار ہاتھی ہین، ان میں سونے کی کانین بھی ہین[1]"

اب اس کے بعد غزنوی دور شروع ہو جاتا ہے، اور سبکتگین اور پھر محمود غزنوی کے حملے ہندوستان پر پے درپے ہونے لگتے ہین، اس سلسلہ مین قنوج نام کا کوئی شہر پنجاب یا سندھ کے علاقہ مین نہین آتا، اور نہ اس کا کوئی ذکر کسی طرح ہوتا ہے، البتہ اودھ کے مشہور قنوج کا نام بار بار آتا ہے، یہان تک کہ ۴۰۹ھ میں محمود اوس کو فتح کر لیتا ہے، ابو ریحان البیرونی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، کتاب الہند مین قنوج کا ذکر بار بار کیا ہے، مگر اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ قنوج سے کون شہر مقصود ہے، اور وہ کہان تھا،

صفحہ ۱۱ مین محمد بن قاسم والے قنوج کا نام وہ اس طرح لیتا ہے،

لما دخل محمد بن القاسم ارض السند	جب محمد بن قاسم سندھ کی سرزمین مین
من نواحی سجستان وافتتح بلد بہمنوا	سیستان کی طرف سے آیا اور شہر بہمنوا کو فتح
وسماہ منصورۃ وبلد مولتان	کیا اور اوس کا نام منصورہ رکھا اور مولتان
وسماہ معمورۃ واوغل فی بلاد	کو فتح کرکے اوس کو معمورہ کے نام سے موسوم
الہند الی مدینۃ کنوج ووطئ	کیا، اور ہندوستان کے شہرون مین کنوج تک
ارض القندھار وحدود کشمیر،	چلا گیا، اور قندھار کے ملک اور کشمیر کے حدود

[1] تقویم البلدان ابوالفدا صفحہ ۳۶۰ پیرس

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اوس کی مراد وہی کنوج یا قنوج ہے جس کا ذکر اوس نے بار بار کیا ہے،

صفحہ ۸۲ مین وہ کہتا ہے :-

ثم يستعمل فی مدديش اعنی واسطة المملكة وهی ماحول كنوج فی جهاته ويسمى ايضاً آرجافرت،	پھر مددیش یعنی بیچ کے ملک میں اور وہ قنوج کے چارون طرف کے شہر ہین، اوران کو آریہ ورت بھی کہتے ہین،

صفحہ ۹۷ مین ہے :-

ويسمونها مدديش اے واسطة الممالك وذلك من جهة المكان لانها فيما بين البحر والجبل وفيما بين الحرور والصرود وفيما بين حديها الشرقی والغربی ومن جهة الملك فقد كان كنوج مسكن عظمائهم الجبابرة الفراعنة ...... وبلد كنوج موضوع علی غرب نهر گنگ كبير جداً واكثره الآن خراب معطل لزوال مقر الملك عنه الی بلد باری وهو فی شرق گنگ وبينهما مسيرة ثلثة ايام او اربعة،	اور اوس کا نام مددیش یعنی بیچ کا ملک ہے، اور یہ نام اس کی جاے وقوع کے لحاظ سے ہے، کیونکہ وہ دریا اور پہاڑ کے بیچ مین اور گرم اور سرد ملکون کے درمیان مین اور اس کے مشرقی اور مغربی حدود کے وسط میں ہے اور بادشاہی کے لحاظ سے تو کنوج ان کے بڑے بڑے جبروت والے راجاؤن کا مسکن ہے... اور شہر کنوج دریاے گنگا کے مغربی کنارہ پر ہے، بہت بڑا شہر تھا، لیکن اس وقت اوس کا بڑا حصہ ویران ہے، کیونکہ پایۂ تخت وہان سے ہٹ کر اب شہر باری میں آگیا ہے جو گنگا کے پوربی کنارہ پر ہے، اوران دونون کے بیچ مین تین یا چارون کی راہ ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج راج، مددیش یعنی بیچ کا ملک تھا، اس کا دوسرا نام آرجافرت یعنی آریہ ورت تھا، اور شہر قنوج گنگا کے مغربی ساحل پر تھا، جو اب محمود کے حملہ کے بعد ویران تھا،

۳۶۷ھ سے غزنوی بادشاہون اور ہندوستان کے راجاؤن مین صلح و جنگ کے تعلقات شروع ہوتے ہین، ۳۶۷ھ مین سبکتگین نے ہندوستان کے سرحدی شہرون پر حملہ کیا، اور شاہیہ خاندان کے حکمرانون سے اوس کا واسطہ پڑا، سبکتگین کے بیٹے محمود نے ۳۹۹ھ مین اجین، گوالیار، کالنجر، دہلی، اجمیر اور قنوج کے راجاؤن کی متحدہ فوجون کو شکست دے کر شاہیہ کا خاتمہ کردیا، اور اس کے چند سال کے بعد ۴۰۹ھ مین قنوج تک پہونچ گیا، راجہ نے صلح کی، اور اپنا پایۂ تخت قنوج سے اٹھا کر گنگا کے شرقی کنارہ مین جا کر بسایا، اور باری اوس کا نام رکھا، اوسی زمانہ کے مسلمان عالم مصنف عبد القادر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق مین فخریہ لکھا کہ "اب بحمد اللہ ملتان سے لیکر قنوج تک اسلام کی عملداری ہے"[1]

ہمارے بعض بزرگون نے تو قنوج کو اتنا پرانا بتایا ہے کہ سکندر کے زمانہ مین موجود تھا، اور راجہ پورس جس نے سکندر کا مقابلہ کیا تھا، وہ یہین کا راجہ تھا جیسا کہ نظامی سکندر نامہ مین کہتے ہین :-

بقنوج خواہم شدن سوے خور　　　خدایار بودم دران راہ دور

حالانکہ قنوج سکندر کے وقت مین تھا ہی نہین، البتہ نظامی کے زمانہ مین وہ ہندوستان کا مرکز دوبارہ بن گیا تھا، سکندر نامہ ۵۸۴ھ میں لکھا گیا ہے، اور اس کے چھ برس بعد ۵۹۰ھ مین شہاب الدین غوری نے قنوج کو دوبارہ فتح کیا ہے،

قنوج کی تاریخ کے واقفکار جانتے ہین کہ قنوج پر تین مختلف دور گذرے ہین، اس کا نام تاریخ مین سب سے پہلی دفعہ چھٹی صدی عیسوی مین آتا ہے، ۶۰۶ء سے ۶۴۷ء تک یہان کا مشہور راجہ ہرش شمالی ہند کا سب سے بڑا طاقتور بدھ راجہ گذرا ہے،

---

[1] صفحہ ۲۷۳،

محمد بن قاسم نے سندھ پر سنہ ۷۱۱ء (مطابق سنہ ۹۲ھ) مین حملہ کیا، اور سنہ ۷۱۲ء مین پورے سندھ پر قبضہ کر لیا، اس لئے محمد بن قاسم نے قنوج کے جس راجہ سے خط و کتابت کی، اور حملہ کی دھمکی دی، وہ راجہ ہرش کے سلسلہ کا راجہ ہوگا، چچ نامہ مین اس عہد کے قنوج کے چند راجاؤن کے نام آئے ہین، پہلا سیار بن رائے بل رائے، دوسرا سیہرس بن راسل اور تیسرا ہرچند جیتل رائے، محمد بن قاسم نے اس آخری راجہ کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی،

راجہ ہرش کے بعد کے راجاؤن کے نام تاریخ ہند کے صفحات سے گم ہین، اس لئے یہ نام اون خالی جگھون کے بھرنے کے لئے کام مین آسکتے ہین، البتہ نامون کی تصحیح کا مرحلہ باقی رہ جائے گا،

اب اس کے بعد سنہ ۸۱۶ء کے قریب بھیلمان کے گرجر پرتھار قوم کے راجہ ناگ بھٹ نے قنوج فتح کر لیا، اور کئی صدیون تک اوسکی اولاد اوس پر حکمران رہی، اوس کا پوتا بھوج رائے ہوا جس نے سنہ ۲۲۵ھ (۸۴۰ء) سے سنہ ۲۷۶ھ (۸۹۰ء) تک قنوج پر حکومت کی،[1] اور یہی وہ راجہ ہے جس کا نام عربون نے بورہ رکھا ہے،

ابوزید سیرافی نے جو سنہ ۲۶۴ھ (۸۷۷ء) میں تھا، قنوج کے متعلق جو فقرہ لکھا ہے، اوس کی دو قرائتین ہین، ایک وهو بلد عظيم فی مملكة الجوز اور دوسری فی مملكة الجزر ایک صاحب کی رائے ہے الجوز کو البحوز پڑھا جائے اور اوس کو بھوج کا عربی تلفظ قرار دیا جائے، کیونکہ یہ زمانہ قنوج مین بھوج کی حکومت کا تھا، میری رائے مین اگر جزر پڑھا جائے اور اوس سے گوجر مراد لیا جائے تو بھی صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ راجہ گرجر پرتھار تھے، جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے،

بہرحال اس کے بعد مسعودی نے سنہ ۹۱۲ء قنوج کے راجہ کو بورہ یعنی بھوج رائے کے نام سے یاد کیا ہے، بھوج اول کے بعد مہندر پال نے اور اس کے بعد اوس کے بڑے بیٹے بھوج دوم نے چند سال تک سلطنت کی، اور سنہ ۹۱۰ء سے سنہ ۹۴۰ء تک بھوج دوم کے بیٹے مہیپال نے حکومت کی، مگر عربون نے ان سب کو

[1] قدیم تاریخ ہند ونسنٹ اسمتھ ترجمہ جامعۂ عثمانیہ، ص ۵۰۲،

بھوج رائے ہی کہا،

قنوج کا راجہ راجیاپال جس کو سلطان محمود سے پالا پڑا، اسی نسل کا راجہ تھا جس کو عتبی نے غلطی سے رائے جےپال لکھا ہے،[1]

سنہ ۱۰۹۰ء سے کچھ پہلے قنوج کے یہ گرجر پرتھار راجہ ختم ہوگئے، اور گہرواڑ قبیلہ کے راجہ چندر دیو نے قنوج کو فتح کر کے نیا راج کھڑا کیا، سنہ ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) مین سلطان شہاب الدین غوری نے جس راجہ سے لڑ کر قنوج چھینا تھا، وہ اسی گہرواڑ خاندان کا تھا، اس کے بعد قنوج نے اپنی اہمیت ایسی کھوئی کہ نام کے سوا کچھ اور باقی نہین رہا،

اس سارے طول بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ شہر قنوج ایک ہی تھا، جو اب بھی ہے، اور جو ہندوستان کی سب سے بڑی راجدھانی تھی، اور عربون نے سندھ کی سمت مین جس قنوج یا بورہ کا ذکر کیا ہے، اوس سے مقصود سلطنت قنوج کا آخری سرحدی مقام تھا، جس کو اسی لئے بھوج رائے بھی کہتے تھے، جیسے آج بھی سلطنت حیدرآباد کے کسی مقام کو حیدرآباد یا نظام یا بڑودہ کے کسی سرحدی مقام کو بڑودہ یا گیکواڑ کہتے ہین،

[1] ترجمہ ونسنٹ اسمتھ، ص ۵۰۸،

خط و کتابت کے لئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اوران کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے، اور معارف اور دارالمصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دارالمصنفین کے نام سے کیجائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

سید سلیمان ندوی

اسلامی اور غزنوی عَلَم

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر، کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

سربرآوردہ ہستیون کے نشانون اور نشانیون کے متعلق یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ کب سے ان کی ابتدا ہوئی لیکن قدما کی بعض چیزین ضرور ایسی ملتی ہین جنھین ہم تاریخی حیثیت دیسکتے ہین، چنانچہ بعض یہودی اہلِ قلم بیان کرتے ہین کہ مغرب کی قدیم جماعتین اور قبیلے ایسے بھی ہوئے ہین جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی کی مطابقت مین "حملہ" اور "بھیڑیئے" "شیر ببر کے بچے" اور "جہاز" کی تصویرون سے شُقۂ عَلَم کو مزین کرتے تھے کہین "اسپ اشہب" اور "سرِ گاؤ" بھی دیکھا گیا ہے،[1] نینوا مین قدیم حکاکی کا کوئی نمونہ دستیاب ہوا ہے جس مین ایک شخص ایک دوڑتے ہوے بیل پر کھڑا ہوا کمان کو چلّے پر چڑھائے ہوئے ہے، اور وہین ایک اور قدیم پتھر ملا ہے جس مین دو بیل مخالف سمتون کو دوڑ رہے ہین،[2]

مشرق مین چینی حکومت کے پانچ پنجون والے ہوائی اژدہے اور جاپان کے گُلِ داؤدی بھی قدیم اعلام مین شمار کئے جاتے ہین،[3] اسی طرح مہابھارت جو پانچ سو سال قبل مسیح سے لے کر پانچوین صدی عیسوی تک (مختلف مستشرقین کے قول کے مطابق) بنتی اور بڑھتی رہی، مختلف اعلام کا تذکرہ کرتی ہے جس سے کم از کم یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین (خواہ تصنیف کا زمانہ کچھ ہی ہو) جھنڈے کا تخیل ضرور تھا، چنانچہ ارجُن کا ایک جھنڈا قوس قزح کی تصویر کا حامل تھا،[4] اور دوسرا بندر کا، اس کے لڑکے ابھی منیو کے جھنڈے میں ہاتھی کی تصویر تھی،[5] اور

---

[1] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، طبع یازدہم، جلد ۱۰ ص ۴۶۰، [2] ، جلد ۱۳ ص ۲۵۴، [3] ، جلد ۱۳ ص ۳۱۱، [4] بھشما پرو فصل شعر ۴۰، [5] فصل ۲۰ شعر ۴۳

اسی طرح کرن کا جھنڈا تھا، اور اوس کے پھریرے کا رنگ سفید تھا،[1] بھشم کے جھنڈے مین کھجور کا درخت اور پانچ ستارے تھے،[2] اور کرشن کے جھنڈے میں گروڑ یعنی عقاب کی تصویر تھی،[3] گویا مختلف بہادرون کے مختلف جھنڈے تھے لیکن وہ کسی جماعت یا فوج کے لئے مخصوص نہ تھے،

اسلامی علم اسلام سے پہلے عرب مین بھی اعلام کا رواج تھا، بدوی قبائل کے سردار مختلف رنگ کے علم رکھتے تھے، خود حجاز مین عُقاب ایک منصب علم برداری کا تھا، جو خاندان بنی امیہ کو حاصل تھا، ان کا پھریرا عموماً نیزے مین باندھا جاتا تھا، جس کو علمبردار فخر کے ساتھ اپنے ہاتھ مین اونچا کئے رہتا تھا،[4]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف اعلام اختیار فرمائے تھے، مشکوٰۃ مین اس بارہ میں بعض روایتین ہین، حدیث کی اور کتابون مین بھی اس کا تذکرہ ہے، ان مین چند روایتین پیش کیجاتی ہین،

عن ابن عباس قال کانت رایۃ	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَوداء	بیان کرتے ہین کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
ولواءہ ابیض (رواہ الترمذی	وسلم کا رایت سیاہ تھا،[5] اور لواء
وابن ماجہ)	سفید تھا،
وعن موسیٰ ابن عبیدۃ مولیٰ	موسیٰ ابن عبیدہ روایت کرتے ہین کہ مجھ کو

---

[1] کرنا پروا فصل ۱۱ شعر ۲۱، [2] بھشما پروا فصل ۴۹ شعر ۵۰، [3] درونا پروا فصل ۸۰ شعر ۲ جارلیس اعظم (۱۲۴۲ء تا ۱۲۵۰ء) کا شاہی نشان، ہنری سوم (۱۲۳۹ء تا ۱۲۵۶ء) کا عصائے حکومت اور ۱۲۸۰ء میں موزلن کا علم سب عقاب کی تصویر کے حامل تھے، مغرب کے مختلف نشانون کیلئے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۱۳ صفحہ ۳۱۲ وغیرہ ملاحظہ فرمائین، [4] سیرۃ النبی تقطیع خورد جلد اول ص ۱۹۷، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۲۴۸ ملاحظہ فرمائین، وفی کلام المقریزی لما ذکر رتب الریاسۃ فی الجاھلیۃ رایۃ ذکران العقاب فی الجاھلیۃ رایۃ تکون لرئیس الحرب فجاء الاسلام وھی عند ابی سفیان وجاء الاسلام ولسدانۃ واللواء عند عثمان بن ابی طلحۃ بن ابی عبد الدار [5] رایت اور لوا کی بحث آگے آئیگی، اس لئے یہان ان لفظون کے معنی نہین لکھے گئے،

محمد بن القاسم قال بعثنی محمد بن
القاسم الی البراء بن عازب یسأله
عن رایة رسول الله صلی الله علیه وسلم
فقال کانت سوداء مربعة من
نمرة رواه احمد والترمذی و

محمد بن قاسم نے حضرت براء بن عازب
رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے رایت کا حال دریافت کرنے کو روانہ
کیا، اونھون نے فرمایا کہ وہ مربع چادر کا
سیاہ رنگ تھا،

عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم
دخل مکة ولواءه ابیض رواه
الترمذی وابو داؤد وابن ماجه

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے
ہین کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ
مین داخل ہوئے تو اُن کا لوا سفید تھا،

ان اعلام کے متعلق تفصیل ایک مخطوطہ "رسالۃ الالویۃ" میں ملتی ہے جو ایک عالم جار اللہ غنیمی نے مرتب کیا
تھا اور جس کے ضروری اقتباسات کی نقل میرے محترم دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے خدابخش لائبریری
سے بھجوائی ہے مین ان کا بہت ممنون ہون، اور اجمالاً بعض تقریرین اپنے ناقص ترجمے کے ساتھ پیش کرتا ہون
اسی کے ساتھ علماء سے درخواست ہے کہ وہ میری اصلاح فرمائین، اور اس سلسلے مین مزید مواد بھی بہم پہنچائین

(۱) ذکر صاحب الرسالة الزهراء
فی جواز لبس العمامة الصفراء
انه صلی الله علیه وسلم دفع للزبیر ابن
العوام رایة صفراء وعممه بعمامة
صفراء وانه صلی الله علیه وسلم
کانت له عمامة صفراء،

رسالہ زہرا کے مؤلف نے زرد عمامہ باندھنے
کے جواز میں بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو زرد رایت
عطا فرمایا اور زرد عمامہ اون کو باندھا
اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے زرد عمامہ تھا،

(۲) ونص عبارة الرسالة الزهراء

رسالہ زہرا کی عبارت کے الفاظ دوسری روایت

فی روایة اخری عند البخاری کان
صلی الله علیه وسلم یصبغ ثیابه
بالصفرة ونزلت الملائکة فی یوم
بدر وعلیهم ثیاب صفر وعمائم
صفر وکان النبی صلی الله علیه وسلم
البس الزبیر بن العوام یوم بدر
عمامة صفراء واعطاه رایة صفراء
ونزلت الملائکة لابسة للاصفر
موافقة لفعله صلی الله علیه وسلم
وللزبیر بن العوام

مین جو کہ بخاری مین ہے یہ ہین کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے کپڑے زرد رنگتے تھے، اور بدر
کے دن جو فرشتے آسمان سے اُترے تھے ان
کے بھی زرد کپڑے اور عمامے تھے، اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام رضی اللہ
عنہ کو بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ پہنایا
تھا، اور زرد رنگ کا رایت عطا فرمایا تھا،
اور حضور کے فعل کی موافقت اور زبیر بن
عوام کی موافقت کے لئے فرشتے بھی زرد
لباس مین اُترے تھے،

(۳) وعبارة الحلبی فی سیرته وحمل
اللواء وکان ابیض فی غزوة بدر
سعد بن ابی وقاص واللواء هو
العلم الذی یحمل فی الحرب یعرف
به موضع امیر الجیش وقد یحمل
فی مقدمة الجیش واول من عقد
الالویة ابراهیم الخلیل بلغه
ان قوماً اغاروا علی لوط فعقد
لواء وسار الیهم وقال بعضهم

اور حلبی کی عبارت اس کی سیرت
مین یہ ہے کہ لوا کو جو سپید تھا
غزوۂ بدر مین سعد بن ابی وقاص رض
اٹھائے ہوئے تھے، اور لوا اس علم کو کہتے
ہین جو لڑائی مین امیر الجیش کے مقام کی
شناخت کے لئے اٹھایا جاتا ہے، اور کبھی یہ
مقدمۃ الجیش مین رکھا جاتا ہے، اور پہلے
شخص جنھون نے لوا بلند کیا تھا، وہ ابراہیم
علیہ السلام تھے، انھین خبر پہنچی تھی کہ ایک

صرح جماعة من اهل اللغة بترادف
اللواء والراية اي فيه يطلق كل
اسم على الآخر، عن ابن اسحاق و
ابن سعد ان اسم الراية انما
حدث يوم خيبر ....
....
(۴) وقد كان للنبي صلى الله عليه وسلم
لواء ابيض في ست غزوات ودّان
وبواط والعشيرة وبدر الاولى و
بدر العظمى وبني قينقاع واما في
غزوة احد فكان له ثلث
الوية كما في المواهب ولو
يعين صفتها وكذا الراية في
غزوة ذي قرد وخيبر وفتح مكة
وفي غزوة تبوك امر صلى الله عليه وسلم
بكل بطن من الانصار والقبائل
العرب ان يتخذ والواء وراية
كما في المواهب قال وصرح

قوم نے لوط علیہ السلام پر حملہ کیا تو انھوں نے
لوا بلند کیا اور ان کی طرف گئے، اور بعضوں نے
کہا کہ اہل لغت کی ایک جماعت نے تصریح
کی ہے کہ لوا، اور رایت دونوں مترادف ہیں
اور ایک دوسرے پر اطلاق کئے جاتے ہیں، اور
ابن اسحاق اور ابن سعد سے روایت ہے کہ

(حاشیہ: رایت کا لفظ غزوۂ خیبر کے دن سے شروع ہوا)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوا چھے غزوات میں سفید
تھا، یعنی ودّان (صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء)
بواط (ربیع الآخر ۲ھ مطابق اکتوبر ۶۲۳ء)
عشیرہ (جمادی الاول ۲ھ - نومبر ۶۲۳ء) بدر
الاولی (جمادی الآخر ۲ھ - دسمبر ۶۲۳ء)
بدر العظمی (رمضان ۲ھ - مارچ ۶۲۴ء)
بنی قینقاع (شوال ۲ھ - اپریل ۶۲۴ء)
میں، لیکن غزوۂ احد (شوال ۳ھ - مارچ
۶۲۵ء) میں حضور کے تین لوا تھے، جیسا کہ
المواہب میں ہے، اور اس کی کوئی صفت
معین نہیں کی، اسی طرح (سفید) حضور
کا رایت ذی قرد (۶ھ، ۶۲۷ء)، خیبر (محرم

لہ میں نے ان غزوات کی تاریخیں ابن خلدون (ترجمہ احمد حسین صاحب) کتاب دوم، جلد سوم ۱۹۲۶ء ص ۶۲ وغیرہ سے لی ہیں،

جماعة بترادف اللواء والراية لكن
روى احمد والترمذي عن ابن
عباس كانت راية النبي صلى الله عليه وسلم
سوداء ولواءه ابيض - ومثله في
الطبراني عن بريدة وابن عدي
عن ابي هريرة وزاد مكتوب فيه
لا اله الا الله محمد رسول الله،
(۵) وذكر ابو اسحاق وكذا ابو الاسود
عن عروة ان اول ما حملت الراية
يوم خيبر وما كانوا يعرفون قبل
ذلك الا الالوية والله اعلم،
(۶) وكتب العلامة الشيخ فايد
الابيادي الحنفي ما صورته الحمد
لله الهادي للصواب لا يخفى ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا

۸ھ - جنوری ۶۲۹ء) اور فتح مکہ (رمضان ۸ھ
جنوری ۶۳۰ء) میں بھی تھا، اور غزوۂ تبوک (رجب
۹ھ - نومبر ۶۳۰ء) میں حضور نے حکم دیا تھا کہ
انصار کی ہر شاخ اور عرب کے قبائل کو وہ اپنا
لوا اور رایت لے لیں، جیسا کہ المواہب میں ہے
اور ایک جماعت نے لوا اور رایت کے مترادف
ہونے کی تصریح کی ہے، لیکن امام احمد اور ترمذی
نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت سیاہ تھا، اور لوا
سفید تھا، اور اسی طرح طبرانی میں بریدہؓ
سے اور ابن عدی نے ابوہریرہؓ سے روایت

(حاشیہ: کی ہے، اور اس میں زیادہ کیا ہے کہ اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا)

اور ابو اسحاق نے ذکر کیا، اور اسی طرح ابو الاسود
نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے کہ سب سے پہلے جو
رایت بلند کیا گیا وہ خیبر کے دن تھا اور اس
سے پہلے لوگ صرف لواء کو جانتے تھے واللہ اعلم
اور علامہ شیخ فاید ابیاری حنفی نے جو کچھ
لکھا ہے، اوس کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام تعریف
اُس اللہ ہی کے لئے ہے جو صواب کی طرف
رہنمائی کرتا ہے یہ مخفی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اراد ان يبعث سرية عقد لها لواءً
ودفعه لامير السرية، فمن ذلك انه
بعث عمه حمزة في ثلاثين رجلا
من المهاجرين وعقد له لواء ابيض
وهو اول لواء عقد في الاسلام
وحمله ابو مرثد خلف حمزة و
من ذلك انه بعث عبيدة بن
الحارث في ستين او ثمانين راكبا
من المهاجرين وعقد له لواء ابيض
وحمله المقداد بن عمرو - واما في
الغزوات فكثير ففي فتح مكة كان لواء
رسول الله صلى الله عليه وسلم ابيض مكتوب
فيه بالاسود من برد يمانية لا اله
الا الله محمد رسول الله وفي فتح مكة
عقد الالوية ودفعها للقبائل وفيه
عقد لابي رواحة لواء ابيض

جب کسی سریّہ[1] کے بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو
اوس کے لئے لوا بناتے، اور وہ لوا امیر السریّہ
کو عطا فرماتے، چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے
کہ جب حضورؐ نے اپنے چچا حمزہؓ کو تیس مہاجرین
کے ساتھ بھیجا[2]، تو سفید لوا تیار فرمایا، اور
وہ پہلا لوا تھا جو اسلام میں تیار کیا گیا، اور
اوس کو ابو مرثد حمزہؓ کے پیچھے اٹھائے ہوئے تھے،
اور اسی طرح حضورؐ نے عبیدہ بن حارثؓ کو
ساٹھ یا اسی مہاجر سواروں کے ساتھ بھیجا تو
ان کے لئے بھی سفید لوا تیار فرمایا، اور اوس کو
مقداد بن عمروؓ اوٹھائے ہوئے تھے، لیکن غزوات
میں لوا بہت ہیں، چنانچہ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا لوا سفید تھا جو یمانی چادر کا
تھا اور اوس میں سیاہی سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا
تھا، اور فتح مکہ میں حضورؐ نے بہت سے لواء
بنوائے جو قبائل کے حوالے کئے، اور اسی موقع

۱؎ سریہ چند آدمیوں کی وہ مختصر اور مسلح جماعت ہے جو جنگ و صلح اور تبلیغ و تعلیم وغیرہ مختلف سلسلوں اور ضرورتوں کے لئے بھیجی جاتی تھی ۲؎ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے سریے غالباً پہلے سال ہجری ہی میں روانہ فرمائے تھے،

وامر بلالا ان ينادي من دخل تحت
لواء ابي رواحة فهو آمن وعقد
لسعد لواء ثم امر عليا ان ياخذه
منه ويدفعه لابنه قيس وفي
غزوة حنين عقد الالوية والرايات
وجعلها بين المهاجرين واعطى سعد
ابن ابي وقاص راية واعطى عمر بن
الخطاب راية واعطى لواء الخزرج
للحباب بن المنذر ولواء الاوس
لاسيد بن حضير وفي غزوة تبوك
دفع لواءه الاعظم لابي بكر الصديق
ورايته العظمى لاسيد بن حضير و
راية الخزرج للحباب بن المنذر
ودفع لكل بطن من الانصار وقبائل
العرب لواء او راية،

(۲) كان لواءه في غزوة ودان
ابيض وكان مع عمه حمزة وفي
غزوة بواط كان ابيض وكان مع

حضورؐ نے ابو رواحہؓ کو سفید لوا دیا، اور حکم دیا
بلالؓ کو کہ لوگوں میں اعلان کردیں کہ جو شخص
ابو رواحہ کے لوا کے نیچے چلا آئیگا وہ مامون ہے
اور حضورؐ نے سعدؓ کے لئے جھنڈا بنوایا، پھر حکم
دیا، حضرت علیؓ کو کہ وہ اون سے لیکر اون کے
بیٹے قیسؓ کو دیدیں، اور غزوۂ حنین (شوال
۸ھ - جنوری ۶۳۰ء) میں حضورؐ نے بہت
سے لوا اور رایات بنوائے اور اون کو مہاجرین میں
تقسیم فرمایا، اور عطا کیا سعد بن ابی وقاصؓ
کو ایک رایت، اور عطا کیا حضرت عمر بن خطابؓ
کو ایک رایت اور عطا کیا خزرج کا لوا حباب
ابن منذرؓ کو اور اوس کا لوا اسید بن حضیرؓ کو، اور
غزوۂ تبوک میں حضورؐ نے بڑا لوا حضرت ابوبکر
صدیقؓ کو اور بڑا رایت اسید بن حضیرؓ کو، اور
خزرج کا رایت حباب بن منذرؓ کو دیا، اور
انصار کی ہر شاخ اور قبائل عرب کو لوا،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوا غزوۂ ودان
میں سفید تھا، اور وہ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ
کے ساتھ تھا، غزوۂ بواط میں بھی سفید تھا، اور

سعد بن ابی وقاص وفی غزوۃ
العشیرۃ کان لواءہ ابیض وکان
مع علی بن ابی طالب وفی غزوۃ
بدر الکبری دفع صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللواء
الی مصعب بن عمیر وکان ابیض
وکان امامہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
رایتان سوداوان احدھما مع علی
ابن ابی طالب کرم اللّٰہ وجہہ اٰی
ویقال لھا العقاب وکانت مرطا
لعائشۃ،

وہ سعد بن ابی وقاص کے ساتھ تھا، غزوۂ عشیرہ
میں بھی لوا سفید تھا، اور وہ حضرت علی بن ابی
طالب رض کے ساتھ تھا، غزوۂ بدر الکبریٰ میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رض کو لوا،
دیا، اور وہ سفید تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے دو رایت سیاہ تھے، جن میں سے
ایک حضرت علی بن ابی طالب رض کے ساتھ
تھا، اور وہ عقاب کہلاتا تھا، اور حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر
سے تیار ہوا تھا،

(۸) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ
ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطی
علیا کرم اللّٰہ وجہہ الرایۃ یوم
بدر وھو ابن عشرین سنۃ وفی
المھدی ان لواء المھاجرین کان
مع مصعب ابن عمیر رضی اللّٰہ عنہ
ولواء الخزرج مع الحباب بن المنذر
رضی اللّٰہ عنہ ولواء الاوس کان
مع سعد بن معاذ رضی اللّٰہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کو بدر میں رایت عطا فرمایا، اور
وہ بیس سال کے تھے، اور کتاب المہدی میں
ہے کہ مہاجرین کا لوا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
کے ساتھ تھا، اور خزرج کا لوا حباب بن منذر
رضی اللہ عنہ کے ساتھ، اور اوس کا لوا سعد بن
معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور الامتاع
میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لوا،

وفی الامتاع عقد صلی اللّٰہ علیہ
وسلم وھی ثلاث لواء یحملہ مصعب
ابن عمیر ورایتان سوداوتان
احدھما مع علی کرم اللّٰہ وجہہ
والاُخری مع رجل من الانصار
وفیہ اطلاق اللواء علی الرایۃ و
تقدم ان جماعۃ من اھل اللغۃ
جزموا بترادف اللواء والرایۃ
انتھی من سیرۃ الحلبی -

لوا بنائے، جن کو مصعب بن عمیر لئے ہوئے تھے،
اور دو سیاہ رایت تھے جن میں سے ایک علی
کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا، اور دوسرا ایک
انصاری کے ساتھ، اور اس میں لوا کا اطلاق
رایت پر کیا گیا، اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ
اہل لغت کی ایک جماعت کے نزدیک لوا
اور رایت دونوں مرادف ہیں، یہ بیان سیرۃ
الحلبی سے لیا گیا،

وفی غزوۃ قینقاع کان لواءہ ابیض
بید عمہ حمزۃ بن عبد المطلب رضی اللّٰہ عنہ

(غزوۂ قینقاع ۲ھ)

اور غزوۂ قینقاع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوا سفید تھا،
اور ان کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

(۹) وفی غزوۃ احد عقد صلی اللّٰہ
علیہ وسلم ثلاثۃ الویۃ لواء
الاوس وکان بید اسید بن
حضیر ولواء المھاجرین وکان
بید علی بن ابی طالب کرم اللّٰہ
وجہہ وقیل بید مصعب بن عمیر،

اور غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے تین لوا بنائے، اوس کا لوا اسید بن حضیر
کے، اور مہاجرین کا لوا علی بن ابی طالب کرم اللہ
وجہہ کے ہاتھ میں تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں
(موخر الذکر) تھا،

(۱۰) وفی غزوۃ حمراء الاسد دفع
صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللواء وکان

اور غزوۂ حمراء الاسد (۲۵ شوال ۳ھ) میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لوا، کو جو بندھا ہوا تھا

معقود العو یجل بعد احد لعلی بن ابی طالب ویقال لابی بکر الصدّیق وفی غزوۃ بنی النضیر حمل الرایۃ علی وفی غزوۃ بدر الموعد حمل اللواء علی رضی اللہ عنہ وفی غزوۃ المریسیع دفع رایۃ المہاجرین الی ابی بکر وقیل لعمار ابن یاسر و رایۃ الانصار الی سعد بن عبادۃ وفی غزوۃ الخندق کان لہ لواءان وفی غزوۃ بنی قریظۃ کان لواءہ بید علی کرم اللہ وجہہ وفی غزوۃ ذی قرد عقد صلی اللہ علیہ وسلم لواء،

اور احد کے بعد سے نہیں نکالا گیا تھا، حضرت علیؓ کو دیا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیا، اور غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ھ اگست ۶۲۵ء) میں حضرت علیؓ نے رایت اٹھایا اور غزوہ بدر (رجب ۴ھ - دسمبر ۶۲۵ء) میں بھی حضرت علیؓ نے لواء اٹھایا، اور غزوہ مریسیع (شعبان ۵ھ - جنوری ۶۲۷ء) میں مہاجرین کا رایت حضرت ابوبکرؓ کو عنایت فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ عمار بن یاسرؓ کو، اور انصار کا رایت سعد بن عبادہؓ کو، اور غزوہ خندق (ذی قعدہ ۵ھ - مارچ اپریل ۶۲۷ء) میں آپ کے دو لواء تھے، اور غزوہ بنی قریظہ (ذی قعدہ ۵ھ - اپریل ۶۲۷ء) میں حضورؐ کا لواء حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا، اور غزوہ ذی قرد (۶ھ ۶۲۷ء) میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لواء (عنایت) فرمایا،

(۱۱) وعن سعید بن المسیب ان رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد مرط اسود ورایۃ الانصار یقال لہا العقاب ...... ان الرایات

اور سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت احد میں سیاہ چادر کا تھا، اور انصار کا رایت عقاب کہلاتا تھا، اور یہ کہ یہ رایت نہیں پہچانے گئے، مگر

لم تعرف الا یوم خیبر واما تسمیۃ رایۃ الانصار یوم احد بالعقاب ...... ان رایۃ تسمی العقاب کما ان رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسمی بذلک،

خیبر کے دن اور احد میں انصار کے رایت کا نام عقاب تھا ...... اس رایت کا نام عقاب تھا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رایت کا بھی یہی نام تھا،

جار اللہ غینی کے رسالہ الویہ کے ان اقتباسات سے جن میں سے اکثر حدیثوں پر مبنی ہیں، اسلامی علم کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک لواء اور رایت کے مترادف ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، صاحب مظاہر حق (طبع لکھنو۔ جلد سوم۔ ص ۵، ۳) کے نزدیک رایت بڑا علم ہے اور لواء چھوٹا، لیکن وہ حاشیے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ان کے معنی برعکس ہیں لیکن اقتباس نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لواء اس علم کو کہتے ہیں جو لڑائی میں سپہ سالار کے کیمپ میں کھڑا کیا جائے، اور کبھی یہ صفوں کے آگے بھی کھڑا کیا جاتا ہے، اور اقتباس نمبر ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اسلامی لواء (پہلے سال ہجری میں) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا گیا تھا جو امیر السریہ کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے، اسی طرح اقتباس نمبر ۷-۸- اور ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اور خزرج اور اوس کی جماعتوں کے لئے لواء تھے، اس بنا پر میرا خیال ہے کہ لواء اس علم کو کہتے ہیں جو ایک جماعت کے لئے ہو، اور دوسرے اقتباسات سے یہ خیال ہوتا ہے کہ رایت وہ علم ہے جس کا تعلق کسی ایک شخصیت سے ہو، بہر حال مجھے اپنے اس خیال پر اصرار نہیں، بلکہ علماء سے درخواست ہے کہ وہ ان معنوں پر کچھ روشنی ڈالیں،

اقتباس نمبر ۶ میں دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ فتح مکہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابو رویحہ رضی اللہ عنہ کو ایک علم (سفید لواء) عنایت فرمایا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ

۱؎ سیرت النبی (تقطیع خورد) جلد اول صفحہ ۱۹۶، ۲۹۰، ۳۴۷، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۷۱، ۵۰۱، ۵۰۴ وغیرہ میں بھی اسلامی علم اور علم برداروں کا تذکرہ ملتا ہے،

جو شخص اوس علم کے نیچے آئے گا وہ مامون ہے، بہت ممکن ہے کہ یہیں سے دوسری اقوام نے سفید علم، صلح و آشتی کے لئے اختیار کیا ہو، کیونکہ اس کے پہلے سفید علم کا یہ مقصد کسی دوسری قوم مین معلوم نہیں ہوتا، اقتباس نمبر ۴ مین طبرانی وغیرہ کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوا مین کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا، اقتباس نمبر ۵ مین وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے وقت لوائے نبوی پر جو سفید تھا، سیاہی سے کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا، یہ وہ موقع تھا جب رمضان (۸ھ) کے پاک دنون مین بیت الحرام کو ۳۶۰ بتون سے پاک کیا گیا تھا، اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے خدا کے علاوہ (باطل) معبودون سے جنگ، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن مین حفظ و امان حاصل کرنے کا پیام دیا گیا تھا، رحمت اور محافظت کے اسی پیام کا مظاہرہ وہ سفید لوا بھی تھا جس کا شقہ کلمۂ طیبہ سے مزین تھا،

(باقی)

حیاتِ شبلی جلد اوّل

حیاتِ شبلی جس کا مدتون سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہو گئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانحعمری نہین ہے، بلکہ اس مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکون، اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علمار کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے، اس کے علاوہ دار المصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اور شبلی انٹر کالج کی عمارتون کے تیرہ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ،

قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیے،

منیجر

کلام اقبال کی دقّتین

اور ان کی تشریح کی ضرورت

از

جناب ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ، لیکچرار یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

تنقیدی مطالعہ کی ابتدا یورپ مین

علامہ اقبال کے افکار کا تنقیدی مطالعہ ان کی زندگی ہی مین شروع ہو چکا تھا، ۱۹۱۹ء مین ڈاکٹر نکلسن نے ان کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی زبان مین ترجمہ کیا جس کے ذریعہ غالباً پہلی مرتبہ مغربی دنیا اقبال کے فکر سے آگاہ ہوئی، اس کے بعد بہت سے انگریز اہل علم نے اقبال کی طرف توجہ کی، مثلاً ڈکنسن نے نیشن ویکلی (The Nation weekly) مین اسرار خودی پر تبصرہ کیا، اسی طرح فارسٹر (E. M. Forester) نے رسالہ اتھینیم (Athenium) مین ریویو کرتے ہوے فلسفۂ اقبال کا تجزیہ کیا،

علمائے مغرب کے مطالعۂ اقبال کی اس کوشش سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک ہندی مشرقی فلسفی کے خیالات و معتقدات حدودِ ہند سے نکل کر انگریزی جاننے والی دنیا مین پھیل گئے، اور ولایت کی تحسین و اعتراف کی مہر ثبت ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کے مغرب پسندون کے لئے "فکر اقبال" کچھ پہلے سے زیادہ جاذب توجہ ہونے لگا، مگر یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علامہ اقبال نے ان مبصرین کی تشریح و توضیح کو پسند نہین کیا، چنانچہ انھون نے ایک خط مین جو ڈاکٹر نکلسن کے نام تھا، ان تبصرون کا مدلل جواب دیا جس مین اپنے نصب العین اور مقاصد کی توضیح اور تشریح کی کوشش کی تھی،

ہندوستان میں مطالعۂ اقبال کی ابتداء گو اقبال کو ابتدا ہی سے بے حد قبولِ عام حاصل ہو چکا تھا، اور ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا فرد نغمۂ اقبال کی شیرینی اور پیامِ اقبال کے سوز و گداز کا دلدادہ اور معترف تھا، مگر افسوس ہے کہ مطالعۂ اقبال کی حقیقی کوشش بہت دیر میں ظہور میں آئی، انجمن حمایتِ اسلام کے وہ عظیم الشان اجتماع کسے یاد نہ ہونگے، جن میں علامہ اقبال اپنی قومی نظموں سے مجلسوں کو گرماتے، اور دلوں کو تڑپایا کرتے تھے، وہ دن کتنے مبارک تھے، جب قوم کا شاعرِ اعظم اپنے عزلت کدے سے نکل کر قومی انجمن کے اسٹیج کو مشرف کیا کرتا تھا، یہ مجلسیں اتنی پرلطف اور پراثر ہوا کرتی تھیں کہ ہفتوں بلکہ مہینوں ان کے تذکرے رہا کرتے، مگر باوجود اس قبولِ عام کے جو اقبال کو نصیب ہوا، فکرِ اقبال کے گہرے اور تنقیدی مطالعے کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی، یہ صحیح ہے کہ اس صورتِ حال کے چند در چند اسباب تھے، لیکن اس واقعہ سے بطور واقعہ انکار نہیں کیا جاسکتا،

مطالعۂ اقبال کی مخلصانہ کوشش غالباً ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۷ء میں اہلِ ملک کو اس ضرورت کا کچھ احساس ہوا، اس وقت تک علامہ کی بہت سی تصانیف شائع ہو چکی تھیں، تحریکِ خلافت کے ہنگامے سرد ہو چکے تھے، پیکار اور آویزش کے ولولے مٹ چکے تھے، عدمِ تعاون اور ہندو مسلم اتحاد کی ناکامی نے سوچنے والے دماغوں اور محسوس کرنے والے دلوں کو سوچنے اور فکر کرنے پر مجبور کر دیا تھا، ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مطمحِ نظر کے صواب و خطا پر غور کرنے لگے تھے، اس ذہنی خلفشار کے زمانے میں پیغامِ اقبال کی جانب کچھ سنجیدگی کے ساتھ توجہ ہونے لگی، چنانچہ تھوڑے عرصے میں کچھ کتابیں، کچھ رسالے، کچھ مضامین فکرِ اقبال کی تنقید میں شائع ہو گئے، "یومِ اقبال" ۱۹۳۲ء میں لاہور میں منایا گیا، جس کی ایک تقریب میں خود علامہ نے بھی شرکت فرمائی، اس کے بعد اور ایک قابلِ قدر کتابیں شائع ہوئیں، جو علامہ کی نظر سے بھی گذریں،

آخری دور میں علامہ اقبال کی مایوسی مگر علامہ کی زندگی میں ان کی حکمت کے مطالعہ کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا علامہ اس سے بالکل مطمئن نہ تھے، نوجوانانِ ملک سے انھیں جو توقعات تھیں، وہ پوری نہ ہوئیں، فکرِ اسلامی کے احیائے ثانی کے سلسلے میں ان کے جس قدر ارادے تھے، ایک ایک کرکے ناکام رہے، مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ

کی آرزو میں قوت سے فعل میں نہ آئیں، سب سے زیادہ یہ کہ علومِ اسلامیہ کی تجدید کے متعلق ان کے سارے خیالات طلسم باطل ہو کر رہ گئے، یہی وجہ ہو کہ ارمغانِ حجاز کی اکثر رباعیاں تنہائی کے احساس سے معمور نظر آتی ہیں جن میں ہمرہانِ سست عناصر کے شکوے ہیں، اور رفیقانِ کوتاہ پا کے گلے، ہم نفسانِ خام کی کور ذوقی کا ماتم ہے، اور مفلسانِ شعر کی بے نوائی کا نوحہ، یہ نوائے درد کہیں کہیں اس درجہ غمگین اور جگر گداز ہو گئی ہے، جس کو سن کر یہ گمان یقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ علامہ سچ مچ اپنے مشن اور مقصدِ حیات کی ناکامی سے دل شکستہ ہو رہے ہیں، ارمغان صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں:-

شریکِ دردِ سوزِ لالہ بودم — ضمیرِ زندگی را وا نمودم
ندانم با کہ گفتم نکتۂ شوق — کہ تنہا بودم و تنہا سرودم

ارمغان کی ایک اور رباعی ہے:-

غریبم در میانِ محفلِ خویش — تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش
ازان ترسم کہ پنہانم شود فاش — غمِ خود را نہ گویم با دلِ خویش (صفحہ ۷۶)

ایک اور رباعی ملاحظہ ہو:- (ارمغان صفحہ ۶)

من اندر مشرق و مغرب غریبم — کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش — چہ معصومانہ غربت را فریبم

اس سلسلے میں سب سے زیادہ بصیرت افروز اور عبرت آموز رباعی یہ ہے:-

چو رختِ خویش بربستم ازین خاک — ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست این مسافر — چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

اقبال کو سب سے زیادہ گلہ ان ناشناس تحسین گذاروں کا تھا جو انھیں محض غزل خوان اور ان کی حکمت کو نوائے شاعری سمجھتے رہے، ان کے ماحول کی بے بصیرتی اور ان کی ناکامی کا گہرا اثر اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال

اپنے زمانہ اور اپنے ماحول سے مایوس ہو کر اپنے کو مستقبل کا "پیام آور" کہنے لگے، ارمغان ص ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:-

نخستین لالہ صبح بہارم — پیاپے سوزم از داغ کہ دارم

بچشم کم مبیں تنہائیم را — کہ من صد کاروان گل در کنارم

اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ علامہ مرحوم قوم میں جس قسم کا جذبۂ انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اپنی زندگی میں اس کا دیکھنا ان کو نصیب نہ ہوا،

۱۹۳۸ء میں جب علامہ اقبال کا انتقال ہوگیا، اس وقت آسودگی پسند قوم کو اس متاع گران مایہ کے لٹ جانے کا کچھ احساس ہوا، ماتمی جلسے ہوئے، مرثیے لکھے گئے، اخبارات نے ماتمی ایڈیشن شائع کئے، رسالوں نے خاص نمبر نکالے، غرض ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے طریقے سے اس حکیم الامت کے اٹھ جانے پر اپنے دلی درد اور افسوس کا اظہار کیا، غم و اندوہ کی یہ فضا علمی لحاظ سے کسی حد تک مفید ثابت ہوئی، اور اشکبار آنکھوں نے دلوں اور دماغوں کو پیام اقبال پر گہری فکر و نظر کا اشارہ کیا، چنانچہ اس حادثے کے زیر اثر تین چار سال تک افکار اور کلام اقبال کی تنقید و تشریح کی طرف خاص توجہ ہوئی، گو اس تحریک میں سیاسی حالات بھی کسی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئے، اور بعض صورتوں میں محض تجارتی اغراض نے بھی کارفرمائی کی، مگر بالعموم اس عرصے میں مطالعۂ اقبال کی تحریک کو بہت فروغ ہوا اور اس کے متعلق بعض مفید اور دقیع کتابیں لکھی گئیں،

گو کلام اقبال کے متعلق متفرق مضامین کی فہرست بظاہر طویل ہے، لیکن اس کی عظمت اور بلندی کی نسبت سے اب بھی بہت تشنہ اور مختصر ہے، اگر ہم سچ مچ اقبال کو اپنی ذہنی تاریخ میں وہی درجہ دیتے ہیں، جو انگریزوں اور جرمنوں نے شکسپیر اور گوئٹے کو دے رکھا ہے، تو ہم ان کے ساتھ اپنی محبت اور ان کے اعتراف کے بارہ میں شرمندہ ہونے پر مجبور ہوں گے، انگریزی اور مغربی ادب کے واقف کاروں سے وہ طویل و ضخیم اسماء الکتب (Bibliographies) پوشیدہ نہیں ہیں جن میں شکسپیر اور گوئٹے کے متعلق کتابیں شامل ہیں،

مثال کے طور پر (Dr. Episch and Schucking) کی Bibliography of Shakespeare پر نظر ڈالئے، جو بڑے سائز کے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کے مندرجات پر غور فرمائیے اور بتلائیے کہ کیا شکسپیر کی زندگی، ذہن، کلام، آرٹ اور شخصیت کا کوئی ایسا گوشہ ہے جو اس کے مجنون کی غائر اور بصیر نظروں سے اوجھل رہا ہو، اسٹراٹفورڈ کی بستی کا وہ گھر جس میں شکسپیر رہا کرتا تھا، آج بھی ایک زیارتگاہ بنا ہوا ہے، بلکہ اس کا سامان نوشت و خواند اس کی دوات اور قلم اور اس کے قلم کے تراشے تک یادگار کے طور پر محفوظ و موجود ہیں،

مطالعۂ اقبال کی تحریک کی کمزوری کے اسباب

مطالعۂ اقبال کی تحریک کی کمزوری کے اسباب بہت سے ہیں، مرحوم کی وفات کے بعد بعض ارباب سیاست نے قدردانی اور سرپرستی کے پردے میں فکر اقبال کو جس رنگ میں پیش کیا، اور ان کے فلسفہ و حکمت کو جس طرح اغراض خارجی کے لئے استعمال کیا، اس سے علامہ مرحوم کے مشن کو شدید نقصان پہنچا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انقلاب کا پیغام جمود کی دعوت بن کر رہ گیا، اور عمل کا خروش جرس نغمۂ خواب آور ثابت ہوا،

دقت اور دشواریاں

دوسرا سبب کلام اقبال کی دشواری اور دقت ہے، جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ نہ صرف عوام بلکہ متوسط گروہ کے لئے بھی تقریباً ناقابل فہم ہے، غلام آباد ہند کی گلوگرفتہ سیاسی فضا میں مرغان چمن کیلئے آزادی کے گیت گانا بجد دشوار ہے، اس پر طرہ یہ کہ اقبال جس گروہ کو مخاطب کرنا چاہتے تھے، اس کی خامکاری اور پست ہمتی کا ان کو پورا اندازہ تھا، اس لئے وہ اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دینے کے بجائے رمز و کنایہ کے پیرایہ میں کہنے پر مجبور تھے، خود کہتے ہیں:-

وقت برہنہ گفتن است من بہ کنایہ گفتہ ام — خود تو بگو کجا برم ہمنفسان خام را

شعر اور پیغام

شعر اور آرٹ کی خوبی بڑی حد تک اس کے ایجاز اور ایمائیت پر موقوف ہے، اس لئے شعر کے قالب میں وہ پیغام مشکل سے سما سکتا ہے، جو عوام اور متوسط طبقوں کے لئے ہونے کے باعث صراحت چاہتا ہو،

خصوصاً جب کہ شاعر کے ذہن و فکر پر دوسری خارجی پابندیان بھی عائد ہون، فلسفہ اور شعر علامہ کے خیال مین خود گریز کے بہانے ہین جن کے ذریعہ شاعر واشگاف اظہار حقیقت سے بچنے کے لئے اشارون اور کنایون سے کام لیتا ہے

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا — حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں رو برو

فارسی زبان ذریعۂ اظہار خیال

چوتھا سبب یہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے فکر کے اظہار کے لئے بیشتر فارسی زبان کو استعمال کیا ہے، ہندوستان مین ادبیات فارسی کا ذوق اب اس درجہ کم ہو رہا ہے کہ لوگ آہستہ آہستہ فارسی شعر و شاعری کے حقیقی لطف سے محروم ہوتے جاتے رہے ہین، کالجون کی "دم بریدہ" تعلیم فارسی ادب کا صحیح ذوق نہیں پیدا کر سکتی، اور وہ طلبہ بھی جو فارسی کے اچھے طالب علم سمجھے جاتے ہین، فارسی شاعری کے اجزاء ترکیبی سے بے خبر ہونے کے باعث اپنے قدیم شعراء کو لغو گو اور ان کی شاعری کو بیہودہ قرار دیتے ہین، انھیں یہ گلہ ہے کہ رومی، حافظ، سعدی، نظیری اور غالب نے شکسپیر، براؤننگ، شیلے اور کیٹس کی طرح کیون نہین کہا؟ جو فارسی ادبیات کے ذوق سے ان کی محرومی کا نتیجہ ہے،

حکیمانہ اصطلاحات اور تراکیب

اقبال کی زبان حکیمانہ اصطلاحون اور ترکیبون سے پُر ہے، عام خصوصیات کے اعتبار سے اقبال پر حافظ، فغانی، جلال اسیر، علی قلی سلیم، سالک یزدی، رضی دانش، ابو طالب کلیم، طالب وغیرہ کی زبان کا بڑا اثر ہے، لیکن حکیمانہ مضامین کے لئے انھون نے رومی خاقانی، بیدل اور غالب کی زبان استعمال کی ہے، غزل کی زبان شیرین ہے، لیکن حکیمانہ مضامین کے لئے جو الفاظ اور ترکیبیں انھون نے استعمال کی ہین، وہ بیشتر تشریح طلب اور دقیق ہین، جس کی بنا پر متوسط درجے کے تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے کلام اقبال بڑی حد تک ناقابل فہم ہو گیا ہے، مین نے "شعراے فارسی اور علامہ اقبال" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جس مین اس قسم کے تمام مباحث پر مفصل تبصرہ کیا ہے، یہان صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہوگا کہ اقبال اکابر شعراے فارسی کے وارث اور صوفیہ اور حکماے اسلام کے سلسلے کی ایک کڑی تھے، اس لئے ان کے کلام کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان اور ادب سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے،

مضمون اور معنی کی دشواریان

مطالعۂ اقبال کے سلسلہ مین زبان اور الفاظ کی دشواریون سے کہیں زیادہ مضمون اور معانی کی دقتین ہین، "اقبال حکیم تھے" ساز سخن تو حرف آرزو کے اظہار کے لئے ایک بہانہ تھا، جو لوگ اُن کی نواے پریشان کو محض شاعری سمجھتے ہین، وہ کلام اقبال کی عظمت کے محرم نہیں، وہ محض غزلخوانی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے تھے، بلکہ "محرم راز درون میخانہ" تھے، قدرت نے انھیں تجدید اور انقلاب کے لئے پیدا کیا تھا، وہ مفکرین اسلام کے کاروان مقدس کے ایک ممتاز فرد تھے، ان کا کلام اسلام اور اسلامیات کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا آئینہ دار ہے، اُن کے اشعار مین کلام مجید، احادیث نبوی، اسلامی فلسفہ و حکمت کے جواہر ریزے، متکلمین اور حکما کے شہ پارے، صوفیہ اور ائمہ کے بلند خیالات، اہل عرفان اور ارباب کشف کے مقامات و احوال کی طرف جا بجا اشارے ہین، گذشتہ تیرہ سو سال مین اسلام کے آغوش مین پلنے والی مذہبی، علمی، سیاسی اور ذہنی تحریکون کی تاریخ، اقوام عالم کے قدیم و جدید ہیجانات، ملل و مذاہب جدیدہ کا ارتقاء، خلافت، سلطنت اور ملوکیت کا عروج و زوال، مغرب اور حکماے مغرب کے نظریئے اور تصورات، غرض انسانی تہذیب و تمدن کے تمام اہم پہلوؤن پر فلسفیانہ تبصرے کلام اقبال مین ضمناً و تلمیحاً موجود ہین، جن سے واقفیت کلام اقبال کے حقیقی مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے، چونکہ مسلمان اب عموماً علوم اسلامیہ اور تاریخ اسلام سے بے خبر اور ناواقف ہو چکے ہین، اس لئے اس شبہہ کے پورے پورے امکانات موجود ہیں، اگر ہم ابھی تک علامہ اقبال کی تعلیمات کے عمیق اور اصلی مفہوم سے شاید بہت دور ہین، علامہ اقبال کا نام سُن کر یا ان کا شعر پڑھکر بہت سے لوگ سر دُھنے لگتے ہین اور بعض پر تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو قابل مسرت اور لائق مبارکباد ضرور ہے، لیکن یہ جذب و سُرور اور قبول عام محض سیاسی قسم کا ہے، اس کی مذہبی اور علمی بنیاد بہت کمزور ہے، اور علامہ کے مقصد حیات کے ادراک و فہم سے شاید اسے دور کا واسطہ بھی نہین، اسی بے خبری کا ایک نتیجہ ہے کہ اس وقت ہماری قوم کے بعض تنگ نظرون کے نزدیک علامہ اقبال کی ساری تعلیم صرف "مخالفت وطنیت" اور "عناد و ملائیت" سے عبارت ہے، حالانکہ تعلیمات اقبال کے وسیع سمندر مین یہ دو اُمور قطرے کی

نسبت رکھتے ہین، اور ان کا بھی وہ مفہوم و مقصد نہین جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے، ان کے علاوہ کلام اقبال مین بہت سے
انمول موتی موجود ہین، جن کو نگاہ مین رکھنے کے بعد اقبال کو محض "وطن اور مُلّا" کا قائل قرار دینا مولانا شبلی کے اس شعر
کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔

تمھیں لے دے کے ساری داستان میں یاد ہے اتنا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

مطالعۂ اقبال کی ان کمزوریوں کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اقبال ابھی تک ایک راز بنا
ہوا، اور تعلیم یافتہ حضرات کا مدعیانہ جوش و خروش محض بے بنیاد اور نمایشی ہے، میرے خیال مین کلام اقبال کے
قدر دانون کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ مطالعۂ اقبال کی دشواریون کو رفع کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھائین اور
پیام اقبال کو سہل اور آسان تر بنا کر ہر بچے جوان اور بوڑھے تک پہنچائین، مطالعۂ اقبال کے مہمات امور جن کی طرف
خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ ہین،

(۱) فرہنگِ مشکلاتِ اقبال (۲) مبادی اقبال کی تشریح (۳) اقبال کے ماخذ اور اطراف کا مطالعہ اور تجزیہ
(۴) مسائلِ عظیمۂ اقبال کی تشریح (۵) مطالعۂ اقبال کی نہایات و غایات (۶) دائرۃ المعارف اقبال،

وہ امور جو میرے نزدیک مبادی اقبال کا درجہ رکھتے ہین، یہ ہین :-

(۱) اقبال کی شخصیتین (۲) اقبال کی تلمیحات اور اصطلاحاتِ علمی (۳) اقبال کی تضمینین (۴) اقبال کے
استعارے، فرضی نام اور نشانات ، (۵) جغرافیائی نام (۶) اقبال کے سرچشمہ ہائے فیض یا ماخذ (۷)
اقبال کے اہم مسائل علمی کی تمہیدی واقفیت،

اقبال کی شخصیتین اقبال کے کلام مین عہد قدیم اور عہد جدید کی بہت سی شخصیتون کا ذکر آتا ہے، ان مین سے بعض
علمی اور روحانی نامورون کا تذکرہ ماخذِ اقبال کے ذکر مین آئے گا، لیکن ان کے علاوہ اقبال کے "ہیروز" اور
بھی ہین، جن کی یاد کو اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان مین سے بعض ایسے ہین
جن کی سیرت کی عظمت سے اقبال متاثر ہین، مگر بعض ایسے بھی ہین جن کی سیرت عبرت پذیری اور نصیحت آموزی

کے لئے ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے،

اقبال کی شخصیتون کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان مین انبیاء علیہم السلام بھی ہین، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم
بھی، بادشاہ بھی ہیں اور سیاست دان بھی، اربابِ رزم بھی ہین اور اصحابِ بزم بھی، مرد بھی ہین اور عورتین بھی، خدا شناس
بھی ہین اور طاغوت پرست بھی، صلحا بھی ہین اور فسّاق بھی، غرض قدیم و جدید تاریخ عالم کی بیشتر نمایان شخصیتین کلام
اقبال کے ضمن مین زیرِ بحث آئی ہین، مطالعۂ اقبال کے سلسلہ مین ان مشاہیر کا مجمل تعارف ازبس ضروری ہے،
تاکہ عام مطالعہ کرنے والے حضرات ان نامورون کے خاص اوصاف و خصائص پر غور کر سکیں جن کی خاطر اقبال نے
ان کا تذکرہ اپنے اشعار مین کیا ہے،

مثال کے طور پر جاوید نامہ کے بعض اشخاص کو لیجئے، مثلاً شرف النساء، صادق اور جعفر اور سید جمال الدین
افغانی وغیرہ،

اقبال کی تضمینات اقبال کے کلام مین تضمینات بھی بہ کثرت ہیں، بانگ درا، پیام مشرق، جاوید نامہ، ضرب کلیم،
زبور عجم اور بال جبریل میں شعراء کے اشعار کی بہت سی تضمینین ملتی ہین، جن میں سے بعض مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے
محتاجِ تعارف نہین، مگر بعض ایسی بھی ہین، جن کا مجمل علم اقبال کے مطالعہ کرنے والے کے لئے بے حد ضروری ہے،
مثلاً انیسی شاملو، ملّا عرشی، فیضی، رضی دانش، ملک قمی، صائب، غنی، مرزا مظہر جانجانان وغیرہ کی تضمینات،

تضمینون کے سلسلہ مین یہ بھی بتانا ضروری ہوگا کہ کسی خاص شاعر کو اقبال نے کیون پسند کیا، اور جس
شعر کو تضمین کے لئے انتخاب کیا گیا ہے، اس مین کیا خاص خوبی ہے، یا اوس کو ان کے موضوعِ بحث سے کیا تعلق ہے،
مین نے اس بحث کو اپنے ایک مضمون "اقبال کے محبوب فارسی شاعر" مین قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے،
اس موقع پر مین صرف ایک مثال پر اکتفا کرون گا،

مندرجۂ بالا فہرست شعراء میں ایک شاعر رضی دانش بھی ہے، اقبال نے اس کے ایک شعر کی تضمین کی ہے،
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو رضی کے اس شعر کی شوخی سے دلچسپی پیدا ہوئی،

تاک را سرسبز کن اے ابر نیسان در بہار قطرۂ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

اس شعر کے جواب مین داراشکوہ نے یہ شعر لکھا تھا،

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود

ان شعرار کے حالات معلوم ہونیکے بعد یہ سمجھنا نسبتۃً آسان ہو جائے گا کہ اون کی سیرت اور شاعری مین اقبال کے لئے کیا خاص وجہ کشش تھی، ان تضمینوں کا جائزہ لینا اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے مفید ہے کہ ہم ان کے ذریعہ اقبال کی محبوب کتابون اور مطالعۂ کتب کے سلسلے مین ان کے طریقون سے بھی واقفیت حاصل کر سکتے ہین،

اقبال کی تلمیحات اور کتابون کے حوالون کی تشریح بھی اسی ضمن مین آتی ہے، تلمیحات کا ایک حصہ فرہنگ اقبال مین شامل ہونا چاہئے، لیکن بعض تلمیحات ایسی بھی ہون گی، جو اس میں شامل نہیں کیجا سکیتں، ان کی تشریح کے لئے شارح کو الگ انتظام کرنا ہوگا، کلام اقبال مین بہت سی کتابون کا ذکر آیا ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہین، ایک عام مطالعہ کرنے والا ابسا اوقات ان اجنبی اور نامانوس نامون سے گھبرا اٹھتا ہے، اور اقبال سے شیفتگی کے باوجود مطالعۂ کلام کو ترک کر دیتا ہے،

اقبال کے پسندیدہ امکنہ و مقامات

عقائد و خیالات اگرچہ روحانی حقائق کا درجہ رکھتے ہین، اور ان کو کسی خاص مکان اور مقام کے ساتھ محدود اور وابستہ نہین کیا جاسکتا، تاہم اقوام کی تاریخ مین مکان اور مقام کو ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، قید مقام سے آزاد ہونے کے باوجود، اقوام اپنے ماضی کی محسوس یادگارون کو زندہ رکھنا چاہتی ہین، اور ان کے لئے اپنے دل مین اس درجہ محبت رکھتی ہین کہ ان کا تذکرہ سوئی ہوئی عصبیتون کو جگا سکتا ہے اور مردہ حسیات کی بیداری کا ذریعہ بن جاتا ہے، اقبال کے کلام میں اسلامی دور کے بعض شہرون کا تذکرہ بار بار آتا ہے، یہ وہ شہر ہیں جو کسی زمانہ میں اسلامی عظمت اور تہذیب کے مرکز تھے، ان کے در و دیوار سے علم اور تمدن کے سرچشمے جاری تھے، اور ان کے گلی کوچون میں شرف انسانیت کا نور برسا کرتا تھا، اقبال کی شاعری تہذیب اور ثقافت کے ان کھنڈرون کی مرثیہ خوان ہے، اگر ہم ان محبوب بستیون کے ساتھ اقبال کی دلبستگی کے وجوہ

سے واقف ہو جائین گے، تو یقیناً ہم پیغام اقبال کی گہرائیون تک پہنچ سکین گے، جہان آباد دہلی، کابل، تبریز، روم، قرطبہ، شیراز، رود کاویری، وادی الکبیر، وادی لولاب کی طرح کے بے شمار شہر اور مقام ہین جن کی خصوصیات کا جاننا ہمارے ابتدائی فرائض مین سے ہے،

اقبال کے پسندیدہ استعارے اور مجازی الفاظ

مین نے اپنے مضمون اقبال کے محبوب فارسی شاعر مین اقبال کی فارسی زبان اور اقبال کے مجازات اور استعارون سے مفصل بحث کی ہے، جس کے ضمن مین یہ بتایا ہے کہ اقبال اگرچہ اپنی زبان و بیان کے اعتبار سے فارسی کے شعرائے متوسطین و متاخرین سے زیادہ قریب معلوم ہوتے ہین، لیکن حافظ کی شاعری کے اثرات سے اتفاق نہ رکھنے کے باوجود وہ انکی زبان اور اسالیب سے بے حد متاثر ہین، مثنوی مین رومی کی زبان اُن کی زبان ہے، مگر غزل مین حافظ اور ان کے بعد عہد مغلیہ کے اکابر شعرا مثلاً نظیری، عرفی، طالب، کلیم، بیدل اور غالب کی زبان مین لکھنے کی کوشش کرتے ہین، ان کے استعارے اور مجازی الفاظ سب کے سب انہی شعرار کے کلام سے ماخوذ ہین، بااین ہمہ ہمین اس فرق کو فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اقبال نے اپنے استعارون اور کنایون کا مفہوم بالکل بدل دیا ہے جس طرح آج سے چھ سات سو سال قبل ہمارے صوفی شاعرون نے خمر اور سُکر کی اصطلاحون اور استعارون کو حقیقت اور طریقت کے لباس مین ملبوس کر دیا تھا، بعینہٖ اقبال نے فارسی شاعری کے محبوب مجازی الفاظ کو نئے معانی اور نیا مفہوم بخشا ہے، مین اس موقع پر صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہون، حافظ کی ایک مشہور غزل ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے :-

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست

این سعادت قسمت شاہباز و شاہین کردہ اند

اقبال حافظ کے شاہباز اور شاہین سے بے حد متاثر ہین، لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اقبال کا شاہین حافظ کے شاہین سے بالکل مختلف مفہوم رکھتا ہے، حافظ کا شاہین زیادہ سے زیادہ ایک جلالی صفت قلندر ہے،

لیکن اقبال کا شاہین ایک غیور، قاہر اور خودی آشنا مومن ہے، اسی طرح فارسی شاعری کے بعض محبوب الفاظ مثلاً حرم، شیخ، میکدہ، خاک، دانہ، بیابان، نہنگ، کبوتر، گوسفند، طاؤس، ناقہ، مہار، ساربان، حدی خوان وغیرہ اقبال کی شاعری مین یکسر نیا مفہوم اور معنی رکھتے ہین، اس جدید مفہوم کی تشریح ہمارے مطالعہ کے مبادی سے تعلق رکھتی ہے،

فرضی مقامات اور کردار جاوید نامہ اور دوسری کتابون مین بعض فرضی نام اور مقام آتے ہیں ان کے تعین اور انتخاب کی وجوہ کو جاننا بھی بے حد ضروری ہے، اور تبدیلیون کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ یہ اصلی نام نہین، مثلاً وادی طواسین یا وادی یرغمید، شہر مرغدین، زندہ رود، جہان دوست، ابجل، مردوخ، ذوالخرطوم، محراب گل افغان وغیرہ،

(باقی)

تاریخ اسلام جلد اوّل

(از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ)

اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۳۸۰ صفحے، قیمت ۳ر

تاریخ اسلام جلد دوم

(بنی امیہ)

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جسمیں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر اسلامی حکومتون کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہو اسلئے دار المصنفین نے تاریخ اسلام کا پورا سلسلہ مرتب کرایا ہے، اسکے بعض حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اس نئے حصہ مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے، قیمت ے

جلد سوم (بنی عباس) زیر طبع ہے،

"منیجر"

انجمن ہائے قرضۂ بے سودی

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعۂ عثمانیہ

"سود کی مذہبی حرمت سے قطع نظر خالص دنیاوی حیثیت سے بھی سودی قرضون نے مسلمانون کو جس نوبت تک پہنچا دیا، اسکے نتائج بالکل ظاہر ہین بعض کوتاہ نظر مسلمانون نے مسلمانون کو تباہ کن سودی قرضون سے روکنے کے بجائے شرعی حیلون سے سود کے جواز اور اس کی ترویج کو مسلمانون کے اقتصادی زوال کا علاج تجویز کیا ہے، حالانکہ قومون کی اقتصادی ترقی کا مدار سود خوری پر نہین، بلکہ صنعت وحرفت اور تجارت کی اشاعت و ترقی پر ہے، گو بیشتر مسلمانون کی تباہی کا سبب ان کا اسراف ہے، لیکن بعض حالات مین واقعی اور ناگزیر ضروریات نادار مسلمانون کو سودی قرض لینے پر مجبور کر دیتی ہین، اس مجبوری کے پیش نظر خلافت راشدہ کے دور مین بیت المال سے حاجتمند مسلمانون کی امداد اور ان کے قرضون کا انتظام تھا، لیکن آج اس قسم کا کوئی اجتماعی نظام نہیں ہے اور بہت سے مسلمان ضروریات کے موقع پر سودی قرض لینے کیلئے مجبور ہو جاتے ہین، سب سے اول اس ضرورت کا احساس حیدرآباد مین کیا گیا، اور آج سے پچاس ساٹھ برس پیشتر وہان بے سود کے قرض دینے والی انجمنین قائم ہوئین، یہ انجمنین اتنی کامیاب ہوئین کہ اب حکومت نے بھی ان کی جانب سرپرستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صدیقی نے ان انجمنون کی روداد ہمارے پاس اشاعت کیلئے بھیجی ہے، چونکہ اس کا تعلق عام مسلمانون کے مفاد اور وقت کے ایک اہم مسئلہ سے ہے اور اس سے ان انجمنون کے نظام اور ان کی کارگذاری پر روشنی پڑتی ہے اس لئے اس کو عام مسلمانون کے سبق کیلئے شائع کیا جاتا ہے۔ "م"

رسالۂ معارف جہان علوم اسلامی کی بے بہا خدمت انجام دے رہا ہے، وہین معاشرہ مسلمانان کی اصلاح مین بھی اس کی کارگذاری کچھ کم نہین ہے، اسی آخر الذکر قسم کا ایک امر ناظرین سے عرض کرنا ہے،

دنیائے اسلام مین ہر جگہ اور ہند مین خاص طور پر مسلمان افلاس اور فضول خرچی مین شہرت رکھتے ہین نتیجہ قرضداری ہے، وہ قرضداری جس سے مسلمان کم از کم پانچ دفعہ روزانہ نماز مین

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، — خدایا - مین تیرے ہان گناہ اور قرض سے پناہ چاہتا ہون،

کے الفاظ مین اظہار بیزاری کرتا ہے، لیکن یہ اظہار بیزاری بھی صرف لفظی ہو گیا ہے، عمل سے کوسون دور ہے،

انسانی معاشرے مین باہمی احتیاج قدیم سے ہے، اور انہی احتیاجون مین سے ایک رقم کی عارضی ضرورت بھی ہے، کسی کے پاس فالتو رقم ہوتی ہے، اور کسی کو اس کی احتیاج، عام حالتون مین یہ معقول تو ہے کہ فاضل رقم والا، اپنی قرض دہی سے کچھ نفع حاصل کرے، لیکن انسانیت بھی کوئی چیز ہے، اخلاق فاضلہ کا بھی کچھ پاس ہونا چاہئے، بے بس و محتاج کی امداد اس کا ہم جنس انسان نہ کرے تو پھر مخلوقات مین کس سے آس رکھی جاسکتی ہے؟!

یہی وجہ ہے کہ قدیم سے ہر مہذب مذہب نے ہر جگہ سود خواری کی ممانعت کی، اسلام نے تو اسے خدا و رسول سے اعلان جنگ کا لرزہ خیز نام دیا ہے،

یہ سب بھی لیکن دنیا مین جب تک انسان کو آزادی ہے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے کہ تکلیف دہ نیکی پر بطور اکثر عامل ہو، اپنا روپیہ چاہے فالتو ہی ہو، دوسرے کو بے سودی قرض دے دینا، اور اس طرح ایک جوکھم مول لینا واقعی ایک تکلیف دہ نیکی ہی ہے، حکومت کے سوا عوام مین ایسے شاذ ہی ملین گے، جو بے سودی قرض دے سکین،

اور تمام تمدنون نے سود کی ممانعت جس حد تک کی ہو، لیکن اس کے اصل باعث پر توجہ نہ کی، اسلام ہی

وہ واحد تمدن ہے جس نے سود کی ممانعت کے ساتھ ساتھ اس کے استیصال کے وسائل مہیا کئے، اور جیسا کہ عرض ہوا، قرضہ دینا اور سود سے دست برداری گوارا کرنا صرف کسی حکومت ہی کے لئے علی العموم آسان ہے، افراد عوام کے لئے نہین، چنانچہ قرآن مجید نے اسے حکومت کے فرائض مین داخل کیا، اور حکم دیا کہ سرکاری آمدنی کا ایک حصہ قرضدارون کی اعانت کے لئے اٹھا رکھا جائے :-

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ الآیۃ

بے شک زکوٰۃ وغیرہ کی سرکاری آمدنیان فقیرون مسکینون، وصول کنندہ افسرون مولفۃ القلوب، غلامی و قید سے رہائی اور قرضدارون کے لئے ہین

چونکہ آیت کے شروع ہی مین فقراء و مساکین آچکے ہین، اس لئے ان قرضدارون سے مراد ان شعبہ کے محتاج و فقیر نہین ہو سکتے، بلکہ وہی کھاتے پیتے لوگ ہو سکتے ہین جنھین عارضی طور پر قرض کی شدید ضرورت ہو گئی ہو،

یہ امر قابل عرض ہے کہ اس آیت مین "زکوٰۃ" کی جگہ "صدقات" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے، جس کی تشریح و تفصیل یہان شاید غیر ضروری ہوگی،

سب لوگ جانتے ہین کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے دور مین سرکاری خزانہ سے اہل حاجت مسلمان قرض حاصل کیا کرتے تھے، خود خلیفۃ المسلمین ضرورت کے وقت بیت المال سے قرض لیتے تھے، اور جب سالانہ یا ششماہی تنخواہ دیوان سے ملتی تھی تو اس کو ادا کر دیتے تھے،

یہ سرکاری انتظام اگر جاری رکھا جاتا تو دنیائے اسلام مین سود خواری باقی ہی نہین رہتی، حالیہ زمانون مین اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ حکومتین آئینی رعایا پروری کرین،

مملکت اسلامیۂ دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن سے حالیہ زمانہ مین جہان متعدد اصلاحی اقدام ہوئے ہین، وہین انجمن ہائے قرضۂ بے سودی بھی ہین، ان کی کچھ تفصیل یہان پیش کرنے کی اجازت چاہی جاتی ہے،

ابھی برطانوی ہند مین کواپریٹیو کی سودی انجمنین قائم بھی نہ ہوئی تھین کہ اس سے ایک نسل پہلے (اب سے پچپن ساٹھ سال قبل) شہر حیدرآباد کے ایک درد مند مشائخ نے انجمن مؤید الاخوان قائم کی جو بانی انجمن کے لائق بیٹے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی معتمد مجلس علمائے دکن کی توجہ سے اب تک جاری اور روز افزون ترقی کر رہی ہے، اس انجمن کا اصول یہ رہا کہ لوگ چرم قربانی اور دیگر خیراتی رقمیں اس ادارے کو دیدیا کرین، چھوٹی ابتدا کے باوجود اس انجمن نے اب دس پندرہ ہزار کا سرمایہ جمع کر لیا ہے، اور اب تک پانچ چھے لاکھ روپیہ بے سودی قرض دے چکی ہے، یہ چھوٹی انجمن ہے، لیکن والفضل للمتقدم،

اس اثنا مین مملکت آصفیہ مین اور بھی درجنون انجمنین بے سودی قرض کے لئے وقتاً فوقتاً قائم ہوئین جن مین متعدد اب بھی باقی ہین،

انہی مین سے ایک کا تفصیلی ذکر کرنا مقصود ہے، محکمۂ بندوبست و داخلہ حقوق اراضی (سٹل منٹ و لینڈ رکارڈ) کی انجمن امداد باہمی قرضۂ بلاسودی نے چند ماہ ہوئے اپنا بیسوان سالانہ جلسہ کیا، اس مین بیان ہوا ہے کہ بیس سال مین اوس نے ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ کا سرمایہ جمع کر لیا ہے جس سے اب ماہانہ پانچ چھے ہزار کے جدید قرضے دیئے جا رہے ہین، اس کا اصول امداد باہمی ہے

ہوتا یون ہے کہ مثلاً دس آدمیون نے ایک انجمن قائم کی، اور اس کا سو روپیہ کی مالیت کا ایک ایک حصہ خرید لیا، اور وعدہ کیا کہ ماہانہ ایک ایک روپیہ کی قسط ادا کی جائیگی، تا آنکہ سوا آٹھ سال مین پوری رقم ادا ہو جائے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے مہینے مین دس شرکاء سے دس روپئے وصول ہوتے ہیں، جو ایک یا زائد شرکاء کو قرض مین دیدے جاتے ہین، ادائی مثلاً بیس ماہ مین رکھی جائے تو ماہانہ آٹھ آنے قسط قرضہ مین وصول ہوتے، دوسرے ماہ مین دس روپے مزید رقم حصص مین اور آٹھ آنے قسط قرضہ مین وصول ہوتے ہین، تیسرے ماہ علاوہ رقم حصص کے ساڑھے دس روپیہ کی قسط قرضہ آٹھ آنے سے کچھ زائد وصول ہوتی ہے، اور اس طرح ہر ماہ آمدنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، سوا آٹھ سال کے اختتام پر دس ہی غریب آدمیون سے ہزار روپئے جمع ہو جاتے ہین جو شرکاء مین قرض کی

صورت مین پھیلے ہوئے ادہر گشت کرتے رہتے ہین، اور محض اقساط قرضہ سے ماہ بماہ اتنی رقم جمع ہو جاتی ہے کہ ضرورتمند شرکاء کی ضرورت پوری ہو جائے،

نئے شرکاء بڑھتے رہتے ہین، وفات وغیرہ سے کچھ خارج بھی ہوتے اور اپنی رقمین واپس بھی لیتے رہتے ہین لیکن اگر کارکن دیانت دار ہون تو انجمن کی ساکھ اور اس کا کاروبار پھیلتا جاتا ہے،

انجمن کے لئے بھی کھاتون اور کاغذ سیاہی وغیرہ کی ضرورت رہتی ہے، اس کی فراہمی کا انتظام یہ ہوتا ہے کہ شرکاء مثلاً ایک پائی ماہانہ مد محفوظ و صادر کے لئے ادا کرتے ہین، درخواست قرضہ پر بھی ایک آنہ یا مناسب محصول لگایا جاتا ہے، یہ رقم اتنی ہو جاتی ہے کہ کاروبار کے پھیلنے پر محاسب کی تنخواہ وغیرہ بھی ادا ہو سکتی ہے، مد محفوظ ناقابل بازیافت رقمون کے لئے بھی کام دیتی ہے، مثلاً کسی کی وفات ہو گئی، اور اس کی جمع سے زیادہ قرض وصول طلب ہے، اور اس کی ضمانت بھی اتفاقاً ناکافی ہو گئی ہے وغیرہ،

ضمانت شخصی بھی ہوتی ہے اور مالی بھی، شخصی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک یا زائد اشخاص اقرار کرتے ہین کہ قرض گیرندہ اگر رقم ادا نہ کرے تو وہ اپنی ذات و جائداد سے ادا کر دین گے، مالی ضمانت مین زیور، جائداد غیر منقولہ وغیرہ ہوتے ہین، عموماً قرض کی مقدار سے ڈیوڑھی مالیت کے سامان قبول کئے جاتے ہین تاکہ قیمتون کے اتار چڑھاؤ سے جوکھم نہ رہے،

قرضے کی مقدار پر بھی پابندیان عائد ہوتی ہین، ایک حصہ لینے والا مثلاً زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپئے تک قرض لے سکتا ہے، اسی طرح ڈیڑھ سو کا حق ہونے کے باوجود کم آمدنی رکھنے مثلاً چپراسی ہونے کی صورت مین احتیاطاً اسکی مقدار گھٹ سکتی ہے وغیرہ،

اگر وقت واحد مین بہت سے قرض خواہ ہو جاتے ہین تو درخواست کے تقدم، ضرورت کی شدت اور گنجایش کا لحاظ کیا جاتا ہے، عموماً مجلس انتظامی ہر مہینہ جلسہ کر کے طے کرتی ہے کہ اس مہینہ مین کن کن لوگون کو کتنا قرض دیا جائے، اس مین اگر بے جا پاسداری نہ ہو تو سب خوش رہتے ہین،

یہ اور دیگر انتظامی امور تجربے سے بھی معلوم ہو جاتے ہین، تجربہ کار انجمنوں کے قواعد سے بھی علم ہو سکتا ہے، دفتر بندوبست کی مذکورہ انجمن مین اس وقت ایک ہزار شرکاء ہین ان مین مسلم بھی ہین اور غیر مسلم بھی، انجمن کے

اخراجات کے باوجود بچت کے ذرائع سے اب اس کا محفوظ سرمایہ تین ہزار روپے کا ہو گیا ہے،

اس مین شک نہین کہ اگر کوئی شخص اپنا خرچ آمدنی سے زیادہ رکھے، اور کمی کی تلافی قرضے سے کرتا رہے تو لقمان کی حکمت بھی اس کی مدد نہیں کر سکے گی اور وہ جلد یا بدیر تباہ ہو جائے گا، انجمن ہائے قرضۂ حسنہ کا مقصد تو ان لوگون کی مدد ہے جن کے آمد و خرچ میں تو توازن ہو، لیکن اگر وقتی طور سے ان کو اتنی رقم کی ضرورت ہو جائے جو ان کی آمدنی سے فوری طور پر بچائی نہیں جا سکتی تو ان کو قرض دیا جائے،

مسلمانانِ ہند سے اسراف کی عادت کو چھڑانے اور آمد و خرچ میں توازن پیدا کرنے کے لئے بہت سے ذیلی و تکمیلی وسائل کی حاجت ہے، (علاوہ انجمن ہائے قرضۂ حسنہ کے) فضول مراسم کا ترک کرنا غیر ضروری مصارف مین تخفیف بلکہ ان کا ختم کرنا، اور جیسا کہ مجلس علمائے دکن نے تجویز کیا ہے "اگر کوئی شخص اپنی سکت سے زیادہ محض دکھاوے کے لئے دھوم دھام سے کوئی تقریب کرے اور اس کے لئے سودی قرض حاصل کرے تو ایسی تقریب کا بائیکاٹ کرنا چاہئے، ہو سکے تو مجوزہ تعزیرات میں ترمیم کر کے مسرفانہ مراسم انجام دینے والون اور قرض لے کر بیجا و غیر ضروری امور کی تکمیل کرانے والون کو قابلِ دست اندازی جرم کا مرتکب اور قابلِ سزا قرار دینا ہوگا"۔

بہرحال انجمن ہائے امداد باہمی قرضۂ بلاسودی نے حیدرآباد میں کافی مفید کام انجام دیا ہے اور اب وہ روز افزون وسعت حاصل کرتی جا رہی ہین، ساٹھ سال کا طویل اور جہادی دور ختم ہو گیا ہے، اب حکومت بھی ان کی سرپرستی کر رہی ہے، چنانچہ حکومت حیدرآباد نے حال میں لکھا ہے کہ "حکومت سرکارِ عالی دلچسپی کے ساتھ محکمۂ بندوبست کے ملازمین کی انجمن کی ترقی کو نوٹ کرتی ہے اور اس انجمن کی خصوصیت یعنی کاروبار کے بے سودی ہونے کے متعلق دیگر دفاتر کی انجمنون کو بھی ترغیب دلاتی ہے، کیونکہ کسی انجمن قرضۂ امداد باہمی کا صحیح مقصد یہی ہو کہ کفایت شعاری کی حوصلہ افزائی اور اپنے ارکان کی خدمت ہو نہ کہ نفع اندوزی عمل مین لائی جائے"۔

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مع ضمیمۂ اضافہ جناب مسعود عالم صاحب ندوی، حجم ۲۰۷ صفحے، قیمت عمر

مینیجر

طبِ فرشتہ

از

جناب سید عبد القادر صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

معارف بابت دسمبر ۱۹۴۳ء مین جناب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین فاضل مضمون نگار نے تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم الملقب بہ ہندو شاہ المشہور بہ فرشتہ کی طبی تصنیف دستور الاطبا یا طبِ فرشتہ پر تبصرہ کیا ہے، اس مضمون کی ترتیب کے وقت جناب سید صاحب کے پیش نظر دستور الاطبا کا ایک نامکمل سا قلمی نسخہ تھا جو محض دو مقالون پر مشتمل ہے، مضمون کے اخیر میں اونھون نے معارف کے ناظرین سے استدعا کی کہ اگر کسی صاحب کے پاس اس کتاب کا دوسرا یا بقیہ حصہ ہو تو انھین مطلع کرین،

اس کے بعد معارف بابت جنوری ۱۹۴۴ء مین نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے دستور الاطبا کے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے جو خود ان کے کتب خانہ مین موجود ہے لیکن بدقسمتی سے یہ نسخہ بھی نامکمل ہے اس مین پہلے دو مقالے تو بدستور موجود ہین، لیکن تیسرے مقالے میں ۱۶۰ کے بجائے صرف ۱۵ فصلیں ہین، اخیر کی تین فصلین نہین ہین، یہ نسخہ ۱۱۹۱ھ سے کچھ عرصہ پہلے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

میرے کتب خانہ میں دستور الاطبا کا ایک بالکل مکمل مگر مطبوعہ نسخہ موجود ہے، جو ۱۳۱۹ھ مین مطبع افغانی امرتسر مین بفرمایش و اہتمام حکیم مولوی نیاز علی خان شائع ہوا تھا، اور قریبًا پندرہ برس کا عرصہ ہوا مین نے اس کو انہی حکیم صاحب سے خریدا تھا، قریبًا دس سال ہوئے حکیم نیاز علی خان کا انتقال ہو گیا، اور ان کی وفات کے بعد ان کا ذخیرۂ کتب منتشر ہو گیا، جناب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی کے مضمون کے شائع ہونے

کے بعد میں نے ایک عزیز کو جو امرتسر میں مدت سے مقیم ہیں، اور مستند حکیم بھی ہیں، لکھا کہ وہ دستور الاطباء کے بقیۃ السیف نسخوں کی تلاش کریں، لیکن انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی، نیا نسخہ تو کیا انھیں کوئی مستعمل نسخہ بھی نہیں ملا، کیونکہ یہ کتاب مقبول عام نہیں ہوئی تھی، اور اس کی بہت کم جلدیں فروخت ہوئی تھیں، لیکن چونکہ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ مزید جستجو سے اس کی ایک دو جلدیں مل سکتی ہیں،

مطبوعہ نسخہ کا عنوان حسب ذیل ہے:

دستور اطباء

تصنیف حکیم سید محمد قاسم آسرآبادی الملقب بہ ہندو شاہ فرشتہ در عہد سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل سنہ ۱۰۱۱ھ

معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب مرحوم نے استرآباد کو آسرآباد پڑھا، یا ممکن ہو کہ یہ کتابت کی غلطی ہو، سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل سے مراد ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے، جو سنہ ۹۸۸ھ ہجری سے سنہ ۱۰۳۷ھ تک بیجاپور کا فرمانروا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ حکیم نیاز علی خان صاحب بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کی تاریخ سے ناواقف تھے، اس لئے انھوں نے ابراہیم عادل شاہ کے بے ربط اور بے جوڑ سے نام کو بامعنی بنانے کے لئے "ابراہیم شاہ عادل" لکھ دیا،

دستور العلاج کے اخیر میں ناشر نے ذیل کی عبارت کا اضافہ کر دیا ہے:-

"مستطاب دستور الاطباء مفید خاص و عام جامع مطالب طبابت ہندی و یونانی بطریقے کہ از توصیفش زبان قلم قاصر است حکیم سید محمد قاسم جامع علوم معقول و منقول الملقب بہ ہندو شاہ فرشتہ کہ تاریخ فرشتہ تصنیف او بدیں وجہ موسوم است، ساکن احمد نگر بلدۂ بیجاپور در عہد سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل در سنہ ۱۰۱۱ھ مقدس تصنیف نمودہ نایاب بود؛ از نسخۂ صحیحہ قلمی مرقومہ سنہ ۱۰۸۱ھ نقل کردہ بکوشش بلیغ و خرچ کثیر در سنہ ۱۳۱۹ھ ہجری در مطبع افغانی شہر امرتسر ...... مطبوع و مقبول خاص و عام گردید"

ساکن احمد نگر بلدۂ بیجاپور کی ترکیب سے بھی حکیم صاحب مرحوم کی دکن کی تاریخ سے عدم واقفیت عیاں ہوتی ہے،

جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ (دستور العلاج کا) دوسرا مقالہ کشتہ جات مفردہ و مرکبہ پر ختم ہو جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے دوسرے مقالہ کا غائر نظر سے مطالعہ نہیں کیا، یہ مقالہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے، اور ان میں سے صرف ایک باب (چودھواں باب) میں کشتہ جات پر بحث کی گئی ہے، اور باقی چودہ ابواب میں مفرحات، معجونات، جوارشات، قرصہا، حبوبہا، سفوفہا، سنونہا اور مطبوخات وغیرہ بنانے کی ترکیبیں درج ہیں، اور ان کے فوائد پر بحث ہے،

تیسرا مقالہ ایک سو ساٹھ فصول (یا ابواب) پر مشتمل ہے، اس میں عام اطباء کے دستور کے مطابق سر سے لیکر پاؤں تک تمام امراض کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے اور ان کا علاج بھی بتلا دیا گیا ہے،

کتاب کے اخیر میں دو اور فصلیں "در خواص و انفعہ ہائے آب و ہوائے ربع مسکون مشتمل بر دو فصل" ہیں، لیکن یہ دونوں فصلیں صرف دو صفحوں میں ختم ہو جاتی ہیں،

دستور العلاج بڑی تقطیع کے ۲۴۸ صفحوں میں ختم ہوئی ہے، کتابت اچھی ہے، مگر کاغذ معمولی ہے،

اردو کی دو قدیم کتابین

از

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی

رسالہ معارف بابتہ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء میں "نواح دہلی کی اردو کی دو قدیم کتابین" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، اس کے متعلق چند امور قابلِ تذکرہ ہین،

(۱) راقم کی کتاب "دکن مین اردو" کے حوالہ سے تحفۂ عاشقان کا تذکرہ کرکے اس کے سنہ تصنیف کی صحت کی گئی ہے،

بیشک، راقم نے "دکن مین اردو" کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن مین وجدی کی تحفۂ عاشقان کو دکھنی زبان کی پہلی کتاب قرار دیا تھا، لیکن اس کے بعد جو تحقیقات کی گئی، اس کے لحاظ سے طبعِ ثالث مین اصلاح کردی گئی ہے،

دکھنی نظم کی پہلی کتاب جواب تک دریافت ہوئی ہے، وہ نظامی کی مثنوی ہے، جو سنہ ۸۶۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے، اس کے متعلق راقم کا مضمون "بہمنی عہدِ حکومت کا ایک دکھنی شاعر" کے عنوان سے رسالہ معارف بابتہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا ہے،

اس کے علاوہ خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی متوفی سنہ ۸۲۵ھ کی کتابین جو نثر مین لکھی گئی ہین، موجود ہین البتہ خواجہ صاحب کی نظم کے متعلق ہنوز پوری تحقیقات نہیں ہوئی ہے،

(۲) زیر بحث مضمون مین "جواہر سخن" کے حوالے سے بتایا گیا ہے، "وجہی پہلا شاعر تھا جس نے سب رس سنہ ۱۰۴۵ھ

مین لکھی ہے، جواہر سخن مین وجہی کی مثنوی قطب مشتری کا تذکرہ ہے نہ کہ سب رس کا، قطب مشتری کی تصنیف سنہ ۱۰۱۸ھ مین ہوئی ہے،

۳- بحوالہ تاریخ ادب اردو محمد قلی قطب شاہ کی وفات سنہ ۱۰۲۳ھ میں بتائی گئی ہے، یہ صحیح نہین ہے تاریخ مذکور مین قطب شاہ کا سنہ وفات سنہ ۱۶۲۵ء لکھا گیا ہے، سلطان کی وفات دراصل سنہ ۱۰۲۰ھ میں ہوئی ہے نہ کہ سنہ ۱۰۲۳ھ مین،

اس صحت کے بعد مجھے مضمون زیر بحث کی کتابون کے متعلق بھی کچھ صراحت کرنی ہے،

اس میں دو کتابون کا تذکرہ ہے، ایک مثنوی واقعات امامیہ ہے، اور دوسری کتاب دیوان منعم ہے، اول الذکر مثنوی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ یہ سنہ ۹۳۰ھ مین مرتب ہوئی ہے، اور ثانی الذکر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ بھی اسی دور کی تصنیف ہے صاحبِ مضمون نے واقعات کے لحاظ سے سنہ کی صراحت کی ہے لیکن تیقن کے ساتھ سنہ تصنیف کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے جو نہایت ضروری ہے، مضمون زیر بحث مین اس امر کی وضاحت نہین ہے کہ مثنوی واقعات امامیہ شاہ غلام رسول برادر شاہ حافظ منور بایزید ثانی کی تصنیف ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

اس سے قطع نظر دیوان منعم کو سنہ ۹۳۰ھ یا اس زمانہ کا دیوان قرار دینے کی کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی، ہوسکتا ہے کہ محمد اشرف منعم تخلص رکھتے ہون مگر کسی اور شخص کا تخلص منعم ہونا خارج از قیاس نہیں ہوسکتا، زبان کے لحاظ سے دیوان منعم کو ہرگز سنہ ۹۳۰ھ کی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا، ملاحظہ ہون اشعار:-

دیکھ کر اس قد موزون کو زبس شرم کے ساتھ — گڑ گیا خاک میں سرو آج گلستان کے بیچ

شمع اس یار کے رخسار کون دیکھ — ہوئی فانوس میں جل کرکے روپوش

رونق نہین ہے صفحہ کی جدول بغیر دیکھ — ایسے ہی حسن کے تئیں وے ہے بہار خط

ابر ہے، سبزہ ہے اور خندان ہے گل گلشن کے بیچ — حیف ہے اس وقت مین ساقی نہین دیتا ایاغ

کونسا معشوق ہو جگ میں جو عاشق کے ساتھ — اس قدر عاشق نوازی کون ترے چھائی ہے شمع

ان اشعار کی زبان اس قدر صاف ہے کہ اس کو سنہ ۹۳۰ھ کی زبان تصور کرنے مین شبہہ کی کافی گنجائش ہے،

ادبیات

موجِ کوثر

از

مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی (علیگ)

"مولوی اقبال احمد خان صاحب نے حال ہی میں یہ پاکیزہ نعت لکھی ہے جو کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئی ہے، لیکن ابھی اس کی عام اشاعت نہیں ہوئی ہے، اور ناظرینِ معارف میں سے غالباً بہت کم صاحب تک اس کے پہونچنے کی نوبت آئے، اس لئے ماہِ مبارک کی تقریب میں یہ پاکیزہ تحفہ ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، یہ نظم بہت طویل ہے اس لئے کل نہیں دیجا رہی ہے،

"م"

احمدِ مرسل، فخرِ دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل، مرسلِ خاتم، صلی اللہ علیہ وسلم

جسمِ مزکی، روحِ مصور، قلبِ مجلّی، نورِ مقطر
حسنِ سراپا، خیرِ مجسم، صلی اللہ علیہ وسلم

طینت جس کی سب سے مطہر، بعثت جس کی سب سے موخر
خلقت جس کی سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی ہراول فوجِ سلیمان جسکے منادی موسیٰ عمران
جس کے مبشر عیسیٰ مریم، صلی اللہ علیہ وسلم

برنشِ فارس، قدس کے رہبان کشورِ بابل، وادیِ کنعان
سب کی زبان پر مژدۂ مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ پوری نظم چھوٹی تقطیع کے ۳۴ صفحوں میں ہے، ۱۲ر قیمت ہے۔

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

باغِ جہان کا حارسِ نامی جس نے مٹائی رسمِ غلامی
پھر سے سنوارا گلشنِ آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ جہاں تھی نظم سے خالی، بکھرے ہوئے تھے حق کے لآلی
اُس نے کئے سب آکے منظم، صلی اللہ علیہ وسلم

بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم، صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کر دی برہم، صلی اللہ علیہ وسلم

فرد و جماعت، امر و اطاعت، کسب و قناعت، عفو و شجاعت
حل کئے جو اسرار تھے مبہم، صلی اللہ علیہ وسلم

ربط و تصادم، طوع و تحکّم، نقر و تنعم، عدل و ترحم
سب کے حدود بتائے باہم، صلی اللہ علیہ وسلم

حفظِ مراتب، پاسِ اخوت، سعی و توکل، زہد و فتوت
تلک حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم

اُلفتِ قربیٰ، قطعِ علائق، حبِ وطن اور حبِ خلائق
کر دیئے سب توحید میں مدغم، صلی اللہ علیہ وسلم

جس پہ تصدق وحیِ الٰہی کنکریاں دیں جسکی گواہی
جس کا تفوق سب پہ مسلم، صلی اللہ علیہ وسلم

خلقِ خدا کا راعیِ آخر، دینِ ہدیٰ کا داعیِ آخر
جس کی دعوت اسلموا تسلموا، صلی اللہ علیہ وسلم

ارض و سما میں آیۂ رحمت، روزِ جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

آئینۂ الطافِ الٰہی، رحمت جس کی نامتناہی
جس کی ہدایت ادعوا تو حوا، صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اُس پہ چھڑکی پیار کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

سم کے عوض دارُوئے شفا دی، طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

جس کا نام اچھالے داور، آپ رفعنا لک فرما کر
بزمِ تجلّی جس کا مخیم، صلی اللہ علیہ وسلم

صدقے جس کی خاکِ قدم پر، تختِ فریدون بختِ سکندر
سطوتِ کسریٰ شانِ کے و جم، صلی اللہ علیہ وسلم

فقر و غنا دونوں کا سلطان، روحِ و جسد دونوں کا درمان
دین کا اور دنیا کا سنگم، صلی اللہ علیہ وسلم

دل میں جس نے سلطانی کی، جنگ میں جس نے جہانبانی کی
زہد و سیاست کر دیئے توأم، صلی اللہ علیہ وسلم

عضوِ قدس، تنِ بے سایہ، جس کی بدولت خلق نے پایا — دینِ مکمل، خُلقِ متمم، صلی اللہ علیہ وسلم

اسوۂ اجمل، دینِ مفصّل، نطقِ مدلّل، وحیِ منزّل — شرعِ معدّل، اسمِ مسلّم، صلی اللہ علیہ وسلم

قبلہ نمائے سجدہ گذاراں، شعلۂ سینا، جلوۂ فاراں — صبحِ بہاراں جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

عالمِ ناسوتی کا مجاہد، شاہدِ لاہوتی کا مشاہد — شان میں ارفع، صبر میں اقوم، صلی اللہ علیہ وسلم

عمر بسر کی نانِ جویں پر، سکہ چلایا چرخ و زمیں پر — فقر میں استغنا کا یہ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مصداقِ دَنیٰ فتدلّٰی جس کی منزل عرشِ معلّٰی — نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم، صلی اللہ علیہ وسلم

نظم میں جس کی نعت مشتہر، انّا اعطینٰک الکوثر — اللہ اللہ شانِ معظم، صلی اللہ علیہ وسلم

شرحِ الم نشرح وہ سینہ، برقِ تجلی کا گنجینہ — جگمگ جگمگ، چم چم چم چم، صلی اللہ علیہ وسلم

جتنے فضائل، جتنے محاسن ممکن میں ہو سکتے تھے ممکن — حق نے کئے سب اس میں فراہم، صلی اللہ علیہ وسلم

علمِ لدنی، شانِ کریمی، خُلقِ خلیلی، نطقِ کلیمی — زہدِ مسیحا، عفتِ مریم، صلی اللہ علیہ وسلم

زمزمہ ہو وہ اس کا فسانہ، نغمۂ داؤد اس کا ترانہ — اس کا ثنا خواں صانعِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اگر مقصود نہ ہوتے، کون و مکاں موجود نہ ہوتے — اور مسجود نہ ہوتے آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

مقصدِ امکاں، مہبطِ قرآں، منبعِ احساں، مرجعِ دوراں — روح کے درماں، قلب کے مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

نوری تن کملی میں چھپائے، بادل میں بجلی لہرائے — نور کا مینھ برسائے رم جھم، صلی اللہ علیہ وسلم

المدثر، المزمل، ذات اس کی کونین کا حاصل — خاک پہ سجدہ، عرش پہ پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

پردہ کشائے دیدۂ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم — فردِ بہائے دودۂ آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

بندہ اور خدا سے واصل، خاکی اور انوار کا حامل — اُمّی اور اسرار کا محرم، صلی اللہ علیہ وسلم

اوجِ شرف کا بدرِ دجیٰ ہے، بزمِ رسل کا صدر وہی ہے — بدرِ منور، صدرِ مکرم، صلی اللہ علیہ وسلم

صدرِ اُمم، سلطانِ مدینہ، وہ جس کے کفِ پا کا پسینہ — گلکدۂ فردوس کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

جن کا پیارا نام محمدؐ، فیضِ مؤبّد، فوزِ مخلّد — حسنِ مجرّد، نورِ مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلۂ ایماں جس کا مولد — دولتِ سرمد جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

بعدِ خدا ہر ایک سے افضل، اشرف، اکمل، اطیب، اجمل — اصدق و اعدل، اجود و احکم، صلی اللہ علیہ وسلم

شافعِ محشر، ماحیِ عصیاں، حامیِ مضطر، حارسِ گیہاں — ساقیِ کوثر، وارثِ زمزم، صلی اللہ علیہ وسلم

سروِ سیادت، قامتِ رعنا، صبحِ سعادت، جلوۂ سیما — طاقِ عبادت، ابروئے پُرخم، صلی اللہ علیہ وسلم

سیدِ بطحا، مخبرِ صادق، عروۂ وثقیٰ، مصحفِ ناطق — برزخِ کبریٰ، آیۂ محکم، صلی اللہ علیہ وسلم

ابرِ دُرافشاں، سرورِ سامی، بدرِ درخشاں، ہمدمِ گرامی — حاذقِ دوراں، چارہ گرِ غم، صلی اللہ علیہ وسلم

باطن و ظاہر طیب و طاہر، خسرو قاہر، کوکبِ باہر — جانِ مظاہر، مرکزِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

کنزِ دقائق، حسنِ حقائق، جانِ حدائق، زیبِ خلائق — سب پر فائق، سب پر اقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

جس کا بذلِ عطا شامل، جس کا فضل شفائے عاجل — جس کا حکم قضائے مبرم، صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے بسائی دل کی بستی، جس کا نمود شبابِ ہستی — زینتِ گیتی جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

حُسنِ ازل کا جلوۂ رنگیں، بحرِ قدم کی موجِ نخستیں — اوجِ ابد کا نیرِ اعظم، صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ رسالت، مہرِ جلالت، عینِ عدالت، خضرِ دلالت

اے بکمالت ناطقہ ابکم، صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانام

از

از جناب عیسیٰ اعظمی

سلام اُس پر ہوئی جس سے منور بزمِ امکانی — سلام اس پر رخِ اقدس تھا جس کا شمعِ ایمانی

سلام اُس پر لقب تھا رحمۃ للعالمین جس کا — سلام اس پر کہ خود اک نامِ نامی تھا یقیں جس کا

سلام اُس پر جو تھا ہمدرد مخلص غم نصیبوں کا
سلام اُس پر جو تھا غم خوار مسکینوں غریبوں کا

سلام اُس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اُس پر جو دلسوزی سے بیواؤں کے کام آیا

سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی کارسازی کی
سلام اُس پر کہ خو جس کی تھی ہمسایہ نوازی کی

سلام اُس پر کہ خود "الفقر فخری" جس نے فرمایا
سلام اُس پر دلوں کو سوزِ حق سے جس نے گرمایا

سلام اُس پر دیا عدل و اخوت کا سبق جس نے
سلام اُس پر سنایا دہر کو پیغامِ حق جس نے

سلام اُس پر عدو پر جس نے رفق و لطف فرمائے
سلام اُس پر عوض پتھر کے جس نے پھول برسائے

سلام اُس پر جو بن کر "رحمۃ للعالمین" آیا
سلام اُس پر جو از سر تا قدم لطف آفریں آیا

سلام اُس پر دلِ عالم پہ جس نے بادشاہی کی
سلام اُس پر بداندیشوں کی جس نے خیرخواہی کی

سلام اُس پر جو تھا نوعِ بشر کا محسنِ اعظم
سلام اُس پر جو تھا چشم و چراغِ دودۂ آدم

سلام اُس پر مٹایا جس نے فرقِ خواجہ و مولا
سلام اُس پر اُٹھائی جس نے رسمِ بندہ و آقا

سلام اُس پر لٹائے گنج ہائے سیم و زر جس نے
سلام اُس پر نہ کھایا سیر ہو کر عمر بھر جس نے

سلام اُس پر فقیری میں تھی جس کی شانِ سلطانی
سلام اُس پر شتربانوں کو دی جس نے جہانبانی

سلام اُس پر سہے حق کے لئے رنج و محن جس نے
سلام اُس پر خدا کی راہ میں چھوڑا وطن جس نے

سلام اُس پر بچھونا تھا حصیرِ بوریا جس کا
سلام اُس پر مُصلّیٰ تھا حریمِ کبریا جس کا

سلام اُس پر کہ بوسیدہ تھی پارینہ ردا جس کی
سلام اُس پر کہ اک کمبل تھا نورانی قبا جس کی

سلام اُس پر کبھی آسودہ ہو کر جو نہ سوتا تھا
سلام اُس پر کہ شب کے آخری حصوں میں روتا تھا

سلام اُس پر تھی شاہد بزمِ انجم جس کے یا رب کی
سلام اُس پر کہ تھیں بیدار جس سے خلوتیں شب کی

سلام اُس پر کہ سجدوں سے جبیں جس کی منور تھی
سلام اُس پر کہ جس سے زینتِ محراب و منبر تھی

سلام اُس پر گلیم افروز تھا جس کا تنِ نوری
سلام اُس پر رخِ روشن تھا جس کا شمعِ کافوری

سلام اُس پر صفت "والشمس" جس کے روئے انور کی
سلام اُس پر شبستانِ جہاں جس نے منور کی

سلام اُس پر کہ سیما جس کا تھا آئینۂ ایمان
سلام اُس پر کہ سینہ جس کا تھا گنجینۂ عرفان

سلام اُس پر کہ تھا نورِ قدم کا پیکرِ آخر
سلام اُس پر کہ تھا حسنِ ازل کا مظہرِ آخر

سلام اُس پر کہ فطرت جس کی تھی پرہیزگاری کی
سلام اُس پر تھی خوبی ختم جس پر صنعِ باری کی

سلام اُس پر کہ تھا دینِ ہُدیٰ کا قدوۂ اکمل
سلام اُس پر کہ تھا خلقِ حسن کا اسوۂ اجمل

سلام اُس پر کہ تھا پیغمبرِ اُمّی لقب جس کا
سلام اُس پر کہ تھا فیضانِ ربانی ادب جس کا

سلام اُس پر فدا تھا صاحبِ عرشِ بریں جس کا
سلام اُس پر کہ مشّاطہ تھا خود روح الامیں جس کا

سلام اُس پر کہ تھی جس کی صفت مزمل و یٰسین
سلام اوس پر بتائے جس نے دین کے حکمت و آئین

سلام اُس پر رگِ فطرت کو بخشی زندگی جس نے
سلام اُس پر رخِ ہستی کو دی تابندگی جس نے

سلام اُس پر کتابِ قدس ہے نعت و ثنا جس کی
سلام اُس پر زبانِ وحی ہے رمز آشنا جس کی

سلام اُس پر ہیں جس کی جلوہ گاہیں یثرب و بطحا
سلام اس پر کہ جس کی خوابگہ ہے گنبدِ خضرا

سلام اوس پر جوار پاک جس کا رشکِ سینا ہو
سلام اوس پر دیارِ محترم جس کا مدینہ ہو

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مولوی ریاض حسن خان صاحب خیال کا مکتوب

بنام

نواب محمد اسحاق خان صاحب سکریٹری محمڈن کالج علیگڈھ

(بہ سلسلۂ ترتیب کلیاتِ خسرو)

رسول پور ڈاکخانہ اہوا ضلع مظفر پور

۱۹ار فروری ۱۹۱۰ء

جناب نواب صاحب مخدوم و مطاع محترم دامت معالیکم،

تسلیم :- تبصرۂ جدید بصیرت افزا ہوا، یاد آوری و مہر گستری کا شکر گزار ہون، کلیاتِ خسرو کی ترتیب و اشاعت کے متعلق جو کاوش و کوشش کیجا رہی ہے اس سے بڑھکر اور کیا ممکن ہے خداوند تعالیٰ آپ کی کوششون کو مشکور فرمائے،

اچھا ہوا کہ مطلع الانوار کی تنقید نگاری مولوی احتشام الدین صاحب کے حوالہ کی گئی، مولوی فرجاد صاحب کی تنقید کی عبارت روزمرہ کے خلاف اور طرز بیان نہایت پیچیدہ ہے،

مجھے بڑی ندامت ہے کہ تواتر سلسلۂ علالت کے باعث تنقید مذکور کو آج سے پیشتر واپس نہ کر سکا آج بذریعہ رجسٹرڈ پیکٹ پوسٹ ارسال کرتا ہون، اُس پر جابجا سُرخ روشنائی سے، نوٹ مین نے لکھدیئے ہین، ملاحظہ ہون

اُس تنقید مین زبان و طرز بیان کے علاوہ بعض مضامین بھی اصلاح طلب ہین تنقید زیر تالیف مین اگر وہ مضامین اُس تنقید سے لئے جائیں تو میرے نوٹ بھی پیش نظر رہین،

مولوی فرجاد صاحب کی تحریر مین ایک نقص یہ بھی ہے کہ وہ بعض مقام مین تنقید کی حیثیت سے نکل کر ہجو ملیح اور کہیں ہجو صریح کی حد تک پہونچ گئی ہے، مصنف کی نکتہ چینی عیب نہین مگر اُس کو نکتہ چینی کی حد سے خارج نہ ہونا چاہیئے

اُس تنقید کے معائنہ کے زمانہ مین حضرت امیر خسرو کے بعض بعض محاسن جو میرے خیال مین آئے اور اُن کو اُس تنقید کے حاشیہ پر قلمبند کرنے کی نوبت نہیں آئی اب تنقید جدید کے زیر تالیف ہونے کی خبر پاکر بعض کو اِس عریضہ کے ذیل مین عرض کرتا ہون :-

۱- بے شبہہ حضرت نظامی کے خمسہ کو جملہ شعراء کے خمسون پر بحیثیت مجموعی ترجیح ہے، مگر بعض مقام ایسے بھی ہیں جہان حضرت امیر خسرو کے بیان کو فوقیت ہے، مثلاً حضرت نظامی نے جہان عدل و انصاف اور حُسن عمل کی ترغیب دی ہے، فرمایا ہے :-

آنکہ ترا توشۂ رہ می دہد — از تو یکے خواہد و دہ می دہد

بہتر ازان مایۂ ستانیت نیست — سود کن آخر کہ زیانیت نیست

اسی مضمون کو حضرت امیر خسرو ادائے زکوٰۃ کے متعلق یون فرماتے ہین :-

آنکہ ز یک دہ دہدت بیشکے — کمتر ازان کش دہی از چل یکے؟

خواستہ، ناخواستہ، دادت خدائے — وائے کہ تو خواستہ ندہیش باز آے!!

زانچہ نصاب ست نصیبے بدہ — مژدۂ دوائے بطبیبے بدہ

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کی تلمیح دونون صاحبون نے کی ہے، مگر کسی کام کی تحریک و ترغیب کے دو عنوان ہوتے ہین، ایک تو یہ کہ مخاطب کو اُس فعل مین اُس کا ذاتی نفع بتایا جائے کہ وہ اوس نفع کے لالچ سے اس کام کو کرے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ فعل اخلاقی حیثیت سے اُس کا فرض ثابت کیا جائے حضرت نظامی نے پہلا طریقہ

اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہین کہ خدا جو تمھیں زادِ راہ دیتا ہے وہ ایک چاہتا ہے، اور اُس کا بدلہ دس دیتا ہے، ایسا اچھا گاہک نہ ملے گا، اُس کے ساتھ سودا کرنے میں تمھارا نفع ہی نفع ہے، گھاٹا نہیں ہے" اور حضرت امیر خسرو نے نہ صرف نفع کے خیال سے اس کام کی ترغیب دی ہے، بلکہ اس فعل کو غیرت کا مقتضے ٹھرایا ہے، اور اخلاقی فرض بتلایا ہے، یہ کہتے ہین کہ "جو کوئی ایک کا عوض دس بڑھا کر دیتا ہے، کیا وہ اتنے کا بھی مستحق نہین کہ چالیس حصون سے ایک حصہ پائے، ؟ خدا نے تم کو، بے طلب، مال ومتاع دیا ہے، کیا غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ تم اوس کو مانگنے پر بھی، نہ دو ؟ جس کی بدولت تم صاحبِ نصاب ہوئے، اُس کو ایک نصیبہ دیدو، طبیب کی دوا سے تندرستی و توانائی حاصل کرکے، اپنی محنتون کی مزد حاصل کرتے ہو، تو دوا کی مزد نہ بھولو"

اسی مضمون کو حضرت مولانا جامی نے بھی لکھا ہے :

حق چو ترا داد ز دینار بیست	بخل بیک نیمۂ دینار چیست ؟
ریخت ز درہم بکنارت دویست	پنج چو خواہد بکنارہ باست،

مولانا جامی فرماتے ہین کہ "اللہ تعالیٰ نے جب تم کو بیس اشرفیان دی ہین، تم صرف آدھی اشرفی کے دینے مین بخالت کیا کرتے ہو، ؟ اُوس نے پانسو درمون سے تمھارا دامن بھر دیا، وہ پانچ درم جو مانگتا ہو، الگ ہٹ کر بیچارہ چھوڑ دو" ظاہر ہے کہ امیر خسرو کا بیان اس سے کہین زیادہ مدلل اور بلیغ ہے، مولانا نے صرف ایک ہی دلیل دی کہ اُس نے تم کو زیادہ دیا ہے، تم کم دینے مین مضائقہ نہ کرو، اور امیر خسرو نے تین دلیلین بیان فرمائی ہیں،

۱- ایک تو وہی جس سے مولانا نے بھی استدلال کیا ہے،

۲- وہ ایک کا بدلہ دس دیتا ہے، اس مین لطافت یہ ہے کہ وہ چالیسوان حصہ بھی جو تم دوگے، رائگان نہ جائے گا، اوس ایک کے عوض دس ملین گے،

۳- اوس نے بے طلب دیا، تم طلب پر تو دو،

امیر خسرو کے بیان کی ترجیح کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اونھون نے "خواستہ" کا لفظ کہا ہے، اور مولانا جامی "چو خواہد" کہتے ہین، فرائض مقرر ہو چکے ہین، اس لئے "خواستہ" کو "چو خواہد" پر ترجیح ہے،

"بخل بیک نیمۂ دینار چیست" سے "کمتر ازان کش دہی از چل یکے" بھی زیادہ تر موثر ہے، غرض لفظاً ومعنیً ہر طرح حضرت امیر خسرو کے یہ اشعار افضل ہین،

۲- معراج کے بیان مین بھی جہان امیر خسرو نے مہمان عزیز کی آمد آمد عالم بالا مین استقبال کی تیاری اور علویون کے ولولہ وشوق اور بے قراری انتظار کا ذکر کیا ہے، وہ کیا باعتبار شکوہ الفاظ اور کیا بحیثیت اظہار جذبات، حضرت نظامی کے کلام سے زیبا تر ہے،

	مطلع الانوار		مخزن اسرار
۱	نیم شبے کان مہ گردون غلام	۱	نیم شبان کان ملکِ نیمروز
	کرد بدولت سوِ گردون خرام		کرد روان مشعلِ گیتی فروز
۲	ولولہ در عالمِ بالا گرفت	۲	خود فلک از دیدہ عماریش کرد
	غلغلہ در گنبد والا گرفت		زہرہ ومہ مشعلہ داریش کرد
۳	نہ تتق وہفت صنم خاستند	۳	کرد رہا در حرم کائنات
	ہفت دہِ خویش بیاراستند		ہفت خط وچار حد وشش جہات
۴	ثابت وسیار درین انتظار	۴	پردہ برانداختہ یعنی ملک
	ماند زبیرون ودرون بیقرار		خرقہ درانداختہ یعنی فلک
۵	خازنِ جنت زدلِ بے سکون	۵	چون دو جہان دیدہ بردواشتند
	گاہ برون آمد وگاہے درون		سرز پے سجدہ فرو داشتند
۶	روضہ برآورد غبارِ نخور		

	مطلع الانوار	مخزن اسرار
	ساختہ جادو پ زگیسوے حور	. . . .
۷	حور بره داشتہ چشم سیاه	. . . .
	گشتہ زدیده درم افشان برہ	. . . .
۸	سدره وطوبیٰ سوے بدرے چنان	. . . .
	سجده کنان درشب قدری چنان	. . . .
۹	درہمہ رہ کاوقدم کارزد	. . . .
	مرغ فلک بوسہ بمنقار زد	. . . .
۱۰	بلبل طوبیٰ کہ نواز دبلند	. . . .
	رقص در ادریس ومسیحا فگند	. . . .
۱۱	خاستہ طاؤس ملائک بکار	. . . .
	پایچہ بالا زده طاؤس دار	. . . .

حضرت امیر خسرو کے شعر نمبر ۲ مین آمد آمد کی دھوم، شعر نمبر ۳، نمبر ۶ اور نمبر ۷ مین جو استقبال کا سامان اہتمام، شعر نمبر ۱۱ مین سرگرمی و مستعدی، شعر نمبر ۱۰ مین جوش مسرت، اور شعر نمبر ۴ و نمبر ۵ میں جو انتظار کی بیقراری ہے، وہ حضرت نظامی کے ہان مفقود ہے،

۳- حضرت امیر خسرو کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ شوق و بے قراری کی تصویر جب اور جہان کھینچتے ہین، خال و خط سے کامل ہوتی ہے، معراج کے بیان مین اہلِ آسمان کے ولولہ و شوق کا سمان ابھی نظر سے گذر چکا ہے، اب وہ کیفیت ملاحظہ ہو جب اپنے پیر و مرشد کے حضور مین حاضر ہوئے ہین، ظاہر ہے کہ وفور شوق و بیقراری مین سر و پا کی فکر نہین ہوتی، اپنی آپ خبر نہیں رہتی، پستی و بلندی یکسان نظر آتی ہے، وہ ٹھوکرین کھا کھا کر کبھی جھکتا، کبھی گرتا ہے، کانٹے چبھتے ہین، مگر اپنی دھن مین بڑھا جاتا ہے، ان سب جزئیات کو کس صراحت و خوبی سے بیان کیا ہے :

گرم بردن جستم ازان روضہ گاہ ‎ ‎ نے خبرم از سر ونے از کلاہ

پاے نہادم برہ آشفتہ وار ‎ ‎ کوہ غم بردل و من بے قرار

نے غم ہستی کہ بہ پستی کشد ‎ ‎ شربتے شوقے کہ بمستی کشد

. . . .

خار قدم دوزبہ پیرامنم ‎ ‎ سوزن عیسی شدہ در دامنم

من شدہ چون رشتہ مریم بتاب ‎ ‎ کردہ گزر از سر سوزن شتاب

روح چو مستے ز رکوع و سجود ‎ ‎ وجد مصور شدہ نقش وجود

زین نمط آلودہ بشوق و نیاز ‎ ‎ در نظر خواجہ رسیدم فراز

۴- حضرت امیر خسرو کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ قرآن و احادیث اور اقوال مشہورہ کی تلمیح اور اقتباس، بے تکلف نہایت صفائی اور روانی کے ساتھ، بکثرت کرتے ہین، چند مثالیں یہ ہین :-

انّ المتقین فی جنات ونہرٍ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

درچمن روضۂ قدسش خرام ‎ ‎ بر شرف مقعد صدقش مقام

وان من شیئٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم

جسم و جمادے کہ بکوہ و در اند ‎ ‎ ہم بزبانے بہ تعالی اللہ اند

سنگ و گیاہے کہ تو بینی خموش ‎ ‎ غلغل شان ہست فلک را بگوش

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

ہرچہ بد ہر آدمی است و پری ‎ ‎ نیست مگر بہر پرستش گری

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا

آنکہ زیک دہ وہت بیشکے　　کمتر ازان کش دہی ازچل یکے

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً

کارشناسے کہ رُخ از کار تافت　　داغ جبین حمل اسفار یافت

انّ الینا ایابھم

یافتہ از درگہِ تو فتح باب　　بار گہِ انّ الینا ایاب

وجعلنا عالیھا سافلھا

راند چو بر صفحۂ ہستی قلم　　عالیھا سافلھا زد رقم

تعبد ربک کانک تراہ اور لاصلوٰۃ الّا بحضور القلب

دور زہدے کہ بازی بود (ق) شو بہ نمازے کہ نیازی بود

گم شو از حضرتِ جاراہبین　　دل بہ حضور آر و خدا را ببین

کل امرئ مرھون باوقاتہ

گرچہ ہمی خواست سخن کام خویش　　لیک گرو بود بہنگام خویش

لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک

طرۂ خلت ز نسیم بہار　　مشک فشان شد چو لب روزہ دار

۵- اخیر شعر اس بات کا بھی شاہد ہے کہ حضرت امیر خسرو پر مذہبی اثر اتنا غالب ہے کہ وہ استعارہ و تشبیہ مین بھی معتقداتِ مذہبی سے کام لیتے ہین، اس شعر کے علاوہ اور جگہ بھی اس قسم کی تشبیہ اُن کے کلام مین پائی جاتی ہے مثلاً

روز بقا چون بزوال اوفتاد　　از پس آن تن بہ ملال اوفتاد

چون ہمہ روزت شد اعمال خوب　　سجدۂ مکروہ بود در غروب

آخری عمر کی عبادت کو سجدۂ وقت غروب سے تشبیہ دیا ہے،

اب یہ عریضہ بہت طویل ہوا جاتا ہے، اس لئے اور خصوصیات کے بیان کو دوسرے موقع کیلئے اٹھا رکھتا ہون،

مثنوی مجنون لیلیٰ قسم دوم میرے پاس پہونچ چکی ہے، حُسن کتابت، حُسنِ تصحیح اور حُسن طبع کل محاسن اس مین موجود ہین، مگر جلد صفائی کی محتاج ہے، طلائی کام صاف نہین، سلسلۂ کلیاتِ خسروؒ اور علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس، ان دونون ٹھپون کے اکثر طلائی حروف اس جلد مین مٹے ہوئے ہین، جلد ساز کو ہدایت کیجائے کہ آئندہ یہ نقائص نہ ہونے پائین،

مثنوی آئینۂ اسکندری اور مثنوی دولرانی خضر خان کے طیار ہوجانے کی خبر علی گڈہ اور مولوی مقتدا خان صاحب شروانی کے خط سے معلوم ہوئی، ان دونون مثنویون کی ایک ایک جلد قسم دوم بذریعہ ویلیو ایبل پوسٹ روانہ فرمائی جائے، امید ہے کہ ان کی جلدین صاف ہون گی، اور طلائی کام، اور طلائی حروف کہین سے مٹے ہوئے نہ ہون گے،

اور کیا عرض کرون عوافی مزاج عالی کا طالب ہون، فقط والتسلیم

خاکسار

محمد ریاض حسن عفی عنہ

مطبوعاتِ جدیدہ

خلافت وسلطنت ایران مین ازمنۂ وسطیٰ مین (انگریزی) از جناب ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی، ضخامت: ۱۷۵ صفحے، قیمت مجلد: للعہ، پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور،

مصنف نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے یہ مقالہ لکھا تھا جسے شیخ محمد اشرف صاحب ناشر و تاجر کتب لاہور نے کتابی صورت مین شائع کردیا ہو، اس کا موضوع ازمنۂ وسطیٰ مین ایران مین خلافت وسلطنت کے تعلقات کی تاریخ ہے، عباسی خلافت اگرچہ پانسو سال سے زیادہ قائم رہی، لیکن اس کے عروج کا زمانہ معتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) پر تمام ہوگیا تھا، اور ترکون کے عروج و اقتدار نے خلفاء کی عظمت بالکل ختم کردی تھی، اور ان کا عزل ونصب ان کے ہاتھون مین آگیا تھا، اس دورِ زوال سے عباسی قلمرو مین خلافت بغداد کے ماتحت نیم آزاد اور خود مختار حکومتون اور سلطنتون کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس کے زوال کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتا گیا، تاآنکہ آخری زمانہ مین خلافت صرف بغداد اور اس کے نواح مین محدود ہوکر رہ گئی تھی، اور اس مین بھی خلفاء کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے، مغرب یعنی مصر و شام اور شمالی افریقہ مین جو حکومتین قائم ہوئین، ان مین بعض آزاد تھین، اور بعض کا خلافتِ بغداد سے برائے نام تعلق رہا، مشرق مین دیالمہ یا آل بویہ کے سوا جو شیعہ تھے باقی سب حکومتین مذہبی عقیدہ کی بنا پر خلافتِ عباسیہ کی عظمت کرتی تھیں، اس کی سیادت مانتی تھین، اور اپنے کو اس کا خادم تصور کرتی تھیں، آل بویہ جن کو عباسیون سے کوئی عقیدت نہ تھی، یا جن سُنی حکومتون میں بھی خلافت کی سیادت سے آزادی

کا جذبہ پیدا ہوا، وہ بھی سیاسی مصالح کی بنا پر اس سے تعلق قائم رکھنے اور کم از کم زبان سے اس کی سیادت کے اقرار اور اس کا ظاہری احترام قائم رکھنے پر مجبور تھین، اس لئے کہ عباسیہ کی دینی مرکزی حیثیت ہر دور مین قائم رہی اور انکی تصدیق اور اجازت کے بغیر کوئی حکومت باقاعدہ حکومت تسلیم نہ کیجاتی تھی، اور اس کی حیثیت غاصب سے زیادہ تصور نہ کیجاتی تھی، اس لئے عباسیون کے دور مین وسط ایشیا مین طاہری، سامانی، صفاری، غزنوی، دیلمی، سلجوقی، خوارزمی جتنی حکومتین قائم ہوئین، ہر دور مین عباسی خلافت کے ساتھ ان کا نہایت گہرا مذہبی اور سیاسی رابطہ رہا، بلکہ دیلمی اور سلجوقی تو خلافت بغداد کے متولی تھے، گو خلافتِ بغداد اور ان حکومتون کے سیاسی حالات و مصالح، اور ان کے ضعف و قوت کے اعتبار سے مختلف دورون مین ان کے تعلقات کی نوعیت بدلتی رہی، لیکن ان کا تعلق ہر حال مین خلافتِ بغداد کے ساتھ قائم رہا، اور خلافتِ عباسیہ کے دورِ زوال کی پوری تاریخ درحقیقت اس کے اور ان حکومتون کے تعلقات کے مدوجزر اور اس کے نتائج سے عبارت ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین ان تعلقات، اس کے عہد بعہد کے تغیرات، اور اس کے نتائج پر محققانہ اور جامع تبصرہ کیا ہے، اس تبصرہ مین عباسیہ کے دورِ زوال اور ان کی حکومتون کی تقریباً پوری سیاسی تاریخ آگئی ہو، اس ضمن مین خلافتِ اسلامیہ کے صحیح تصور اور اصلی منصب اور ان سلطنتون کے قیام کے بعد سیاسی حالات کی بنا پر، اس کے فقہی و قانونی تغیرات کا تذکرہ بھی آگیا ہے، کتاب تلاش و محنت سے لکھی گئی ہے، اور تاریخ اسلام کے طالب علمون کے مطالعہ کے لائق ہے،

دستور الفصاحت مرتبہ جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور، تقطیع بڑی ضخامت، ۲۰۰ صفحے، کاغذ بہتر، ٹائپ صاف و روشن، قیمت مرقوم نہین، پتہ مصنف سے ملیگی،

اردو زبان کے قواعد پر قدما نے بہت کم کتابین لکھین، اور جو دو چار لکھی بھی گئین، ان مین انشاء اللہ خان کی دریائے لطافت کے علاوہ اور کسی کو شہرت اور قبولِ عام حاصل نہ ہوا، چنانچہ اسی زمانہ مین حکیم احمد علی خان یکتا لکھنوی نے اس موضوع پر دستور الفصاحت لکھی، جو افادی حیثیت سے دریائے لطافت سے کم نہین، اور

اپنی قدامت کی وجہ سے اہم کتاب ہے، لیکن اس کے نام تک سے لوگ ناواقف ہیں، اور اسکے قلمی نسخے بھی نایاب تھے، چند سال ہوئے، اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ رامپور کے لئے خرید لیا گیا تھا، دستور الفصاحت میں اردو کے قواعد کے ساتھ شعرا کے تذکرہ کا بھی ایک حصہ ہے، اس میں میر و سودا کے عہد سے لیکر کتاب کی تصنیف کے زمانہ یعنی تیرہویں صدی کے وسط تک ہر دور کے بارہ بارہ اساتذہ کا مختصر تذکرہ اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، اس سے ان شعراء کے حالات کے متعلق بعض نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی نے کتاب کے مقدمہ کو جو اردو زبان کے متعلق بعض مفید معلومات پر مشتمل ہے، اور تذکرۃ الشعراء کے حصہ کو مبسوط مقدمہ اور تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مرتب کرکے شائع کیا ہے، اور اصل کتاب یعنی قواعد کے مباحث کی مفصل فہرست دیدی ہے، تذکرہ میں جن شعراء کا ذکر ہے، ان کے حالات اور جن مطبوعہ و قلمی تذکروں میں ہیں، حاشیہ میں ان سب کا حوالہ دیدیا ہے، اور بعض قلمی تذکروں کی عبارتیں نقل کردی ہیں، کتاب کے شروع میں لائق مرتب کے قلم سے مصنف کتاب کے مختصر حالات اور کتاب کے قلمی نسخہ کی مفصل کیفیت ہے، مرتب کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل اور محققانہ تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان ساٹھ پینسٹھ قلمی و مطبوعہ تذکروں اور کتابوں کے حالات ہیں جن سے دستور الفصاحت کی ترتیب و تحشیہ میں مدد لیگئی ہے، اور ان کے متعلق مفید معلومات جمع کردیے گئے ہیں، اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شائقین کو بعض نادر قلمی تذکروں کا حال معلوم ہوگیا اور اس موضوع پر آئندہ کام کرنیوالوں کے لئے نشانِ راہ مل گیا، اس کتاب کا سب سے مفید اور پُراز معلومات حصہ فاضل مرتب کا مقدمہ ہے، اس کو انھوں نے جس محنت اور تلاش و تحقیق سے لکھا ہے، اس کا اندازہ صرف اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، کتاب کے آخر میں اشخاص اور کتب کے اسماء اور اعلام کا انڈکس بھی دیدیا ہے، کتاب میں طباعت کی جو خفیف فروگذاشتیں رہ گئی ہیں، آخر میں ان کا صحت نامہ لگادیا گیا ہے، اس کتاب کی اشاعت سے ایک قلمی و نایاب تذکرہ کی اشاعت سے بھی بڑھکر یہ فائدہ یہ ہوا کہ اردو میں قلمی کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور تصحیح و تحشیہ کا ایک اعلیٰ نمونہ سامنے آگیا،

مداوا مرتبہ جناب غلام احمد صاحب فرقت کاکوروی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۲ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد للعہ پتہ: مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ،

ترقی پسند ادب کے نام سے نوجوانوں میں عریاں نویسی اور فحش نگاری کی جو وبا پھیل رہی ہے اور اردو زبان میں جس قسم کا پست اور مخربِ اخلاق لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، اس کی مضرتوں کو ہر سنجیدہ طبقہ نے محسوس کیا اور بلاتفریق قدیم و جدید تعلیم یافتہ دونوں جماعتوں کے سنجیدہ اصحابِ علم اور اربابِ قلم نے اس کے خلاف آواز بلند کی، اور اس کی اصلاح کے لئے مضامین لکھے، مذکورۂ بالا کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک مفید اصلاحی کوشش ہے، ترقی پسند ادب کا شاہکار وہ معریٰ شاعری ہے، جو بحر و اوزان اور قوافی کی آزادی کے ساتھ معنی و مفہوم کے لحاظ سے بھی عموماً آزاد اور محض پراگندہ اور بے ربط خیالات، بے معنی فقروں اور بے ربط جملوں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے، کہ موضوع الفاظ کا مہمل مجموعہ ہوتی ہے، خوش مذاق مرتب نے ان نظموں کا نہایت دلچسپ خاکہ اڑایا ہے، اور اس کے جواب میں انہی کے ہمرنگ نظمیں لکھی ہیں، یہ نظمیں اتنی کامیاب ہیں، کہ اگر ان کے نقل ہونے کا علم نہ ہو تو ان میں اور ترقی پسند شاعری میں امتیاز کرنا مشکل ہے، ان نظموں کے ساتھ ان سنجیدہ مضامین کو بھی جو ہندوستان کے مختلف اصحابِ علم و ادب نے ترقی پسند ادب کی اصلاح کے سلسلہ میں لکھے ہیں، اور اس کے متعلق مشہور ادیبوں اور اہلِ قلم کی رایوں کو جمع کردیا ہے، ان میں پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، سید مسعود حسن صاحب رضوی، نواب جعفر علی خان آثر لکھنوی، ڈاکٹر عندلیب شادانی، خواجہ محمد شفیع دہلوی، پروفیسر علی عباس صاحب حسینی، نیاز صاحب فتحپوری، اختر علی صاحب تلہری کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے اصحابِ قلم کی رائیں ہیں، ان ناموں سے ترقی پسند ادب کے متعلق ہندوستان کے صاحبِ نظر ادیبوں اور اہلِ قلم اصحاب کے خیالات کا اندازہ ہوسکتا ہے، ترقی پسند ادب کی بے راہ روی اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ بھی جو خود ایک زمانہ میں اپنے دور کے ترقی پسند ادب کے علمبردار رہ چکے ہیں، موجودہ ترقی پسند ادب کی غلط روی محسوس کرنے پر مجبور ہوگئے، اور نئے ترقی پسند ادیبوں کی گرم روی کے مقابلہ میں انہیں پسپا ہونا پڑا،

یہ مضامین محض مخالفانہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں علمی و ادبی حیثیت ترقی پسند ادب کے نقائص اور مفاسد پر سنجیدہ نگاہ ڈالی گئی ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کیجائے،

گردش از جناب مجنون گورکھپوری، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲، پتہ: مکتبہ علم و ادب دہلی،

کئی سال ہوئے مصنف نے یہ افسانہ اپنے رسالہ ایوان گورکھپور میں لکھا تھا، کتبخانہ علم و ادب نے اسے کتابی شکل میں شائع کردیا ہے، یہ افسانہ مصنف کے دوسرے افسانوں کی طرح رومانی و قنوطی اور حزن و طرب کے مخلوط جذبات کا آئینہ ہے، اس کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان کی تقدیر اوس کے اعمال و کردار میں، اور وہ اپنے اعمال و کردار کے اچھے برے نتائج کا خود ذمہ دار ہے، پورا افسانہ اسی مرکزی خیال کی دلچسپ اور سبق آموز تفسیر ہے، خیالات و تحریر میں مصنف کی پختگی نمایاں ہے لیکن اس میں جذبات کی وہ بے ساختگی اور دلکشی نہیں، جو ان کے بیشتر افسانوں میں پائی جاتی تھی، عمر کی رفتار کے ساتھ ساتھ عموماً فن میں تو زیادہ پختگی آجاتی ہے، لیکن فطری جوش اور دلکشی کم ہوجاتی ہے، مصنف ایک خوش مذاق صاحب قلم ہیں کتب کے انتساب میں معلوم نہیں انھوں نے اس خوش مذاقی پر کیوں داغ لگانا پسند کیا،

نغمۂ آتشیں مرتبہ جناب صباح الدین عمر صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، جلد خوبصورت، قیمت مرقوم نہیں، پتہ: محکمۂ اطلاعات صوبہ متحدہ لکھنؤ،

موجودہ جنگ اگرچہ براہ راست ہندوستان کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اوس کے عالمگیر اثرات سے وہ بھی محفوظ نہیں، بلکہ اپنی غربت و محکومی کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ اس کا شکار، اور اس کا ہر طبقہ اس کے نتائج سے متاثر ہے، یہاں کے شعرا نے بھی اس کے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں، مرتب کتاب نے ان ہی نظموں کو نغمۂ آتشیں کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض پرانی نظموں کا رخ بڑی خوبصورتی کے ساتھ موجودہ جنگ کی طرف پھیر گیا ہے، اس مجموعہ میں ہر مسلک خیال کے شعرا کی نظمیں ہیں، جس سے جنگ کے متعلق مختلف طبقوں کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے، اکثر شعرا کے فوٹو بھی دیدیئے گئے ہیں، ان میں دو مسلمان خواتین بھی برافگندہ نقاب اپنے اسلحہ سے مسلح میدان رزم میں صف آرا نظر آتی ہیں،

"م"

جلد ۵۳ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۴ء عدد ۴

مضامین